Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

جلد 10 / شمارہ 02 / اگست / 2020

ماہنامہ

فہمِ دین

محافظ کون؟ دشمن کون؟

حیا اور ایمان

بے پر پرندہ

سفیر پوش

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BHDP
BAITUSSALAM
HUMAN
Development Program

ایک شخص کی
بے روزگاری
پورے گھرانے کی
پریشانی

روزگار فراہمی کے لیے بیت السلام کا اقدام

سفید پوش بے روزگار ہنر مندوں کے لیے بیت السلام کا خود کفالتی پروگرام

آئی بی اے کے اشتراک سے 6 ہفتے کا آن لائن کورس

کامیاب شرکاء کو قرض حسنہ دیا جائے گا تاکہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو سکیں

الحمد للہ پہلا کورس جاری ہے

مستحق طلبہ کے لیے راشن فراہمی

اس کار خیر میں خرچ کرنے کے خواہش مند رابطہ کر سکتے ہیں

Contact: +92 311 277 5325 | Email: bhdp@baitussalam.org | Website: www.baitussalam.org/bhdp

BAITUSSALAM

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

اگست 2020

فہم وفکر

محافظ کون ؟؟ دشمن کون ؟ — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05

فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ — 06

آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا ﷺ — جنید حسن — 10

بے پر پرندہ — پروفیسر محمد اسلم بیگ — 12

مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 13

باورچی خانہ اور ہماری صحت — حکیم شمیم احمد — 16

خواتینِ اسلام

روشن قندیلیں — ندا اختر — 19

ناقدری کا انجام — ارم شمیم — 20

ہجرت — نفیسہ سعید — 21

امید بہار رکھ — عالیہ ذوالقرنین — 24

سفید پوش — کائنات غزل — 25

دیا جلائے رکھنا — عائشہ تنویر — 26

بیٹی کے نام خط — محمد دانش — 28

حیا اور ایمان — قرۃ العین خرم ہاشمی — 29

باغیچہ اطفال

نیکی — مریم صدیقی — 30

دادی جان کی یادیں — محمد احمد رضا انصاری — 32

جنگل پارٹی — سویرا فلک — 34

گلہری — فوزیہ خلیل — 35

آنکھ او جل — ڈاکٹر الماس روحی — 36

راضی برضا — اہلیہ محمد فیصل — 37

لاک ڈاؤن کیسے گزارا؟ — محمد فاروق ملک — 38

چڑیا کی مدد — کرن سلطان ڈھلوں — 39

بچوں کے فن پارے — 40

انعامات ہی انعامات — 41

بزمِ ادب

میرے مالک مجھے حوصلہ — ضیاء اللہ محسن — 42

اباحضور — فرخ صبا — 43

مٹادے کرونا کو — ارسلان اللہ خان — 43

گلدستہ — محمد اطہر فتح پوری — 44

اخبار السلام

فراہمی آب — خالد معین — 46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
ناظم	خالد عبد الرشید
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرتعاون

فی شمارہ : 40 روپے
سالانہ فیس : 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک : 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفترِ فہمِ دین

مدیر کے قلم سے

محافظ کون؟ دشمن کون؟

یہ ملکِ خداداد کسی معجزے سے کم نہیں، اس کا قیام بھی معجزہ تھا، کہ ستائیس رمضان المبارک تھی، نصف شبِ قدر بیت چکی تھی، خدا کی رحمتیں برس رہی تھی اور ننھے منے پاکستان کی دُنیا کے نقشے پر آمد ہوئی۔ اب پاکستان کی بقا بھی کسی معجزے سے کم نہیں۔ دُشمن ایسے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں، جیسے ثرید کے پیالے کے چاروں طرف کھانے والوں کی انگلیاں منڈلا رہی ہوتی ہیں۔ وہ کئی بار کاری ضرب لگانے کی کوشش کر چکا ہے، پڑوسی اسلامی ملک کے بہانے ہی آپ دیکھیں کہ وہ کتنی بار پاکستان تک پہنچنے کی کوشش کر چکا ہے، اسے نہ پاکستان کے پاس گرم پانیوں والا گوادر پورٹ ٹھنڈے پیٹوں برداشت ہو سکتا ہے اور نہ معدنیات سے مالا مال بلوچستان کی پہاڑیاں، اکانومک کوریڈور بھی اس کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہا ہے اور ایٹم بم تو ہے ہی اس کے لیے دردِ سر۔ پاک فوج اور ان کے چاق چوبند دستے اپنی مختلف دُور رَس حکمتِ عملیوں کے ذریعے ان کا ناطقہ بند کیے ہوئے ہیں۔

جب دُشمن دیکھتا ہے کہ جغرافیائی سرحدیں بہت محفوظ ہیں اور ان میں نقب لگانا یا دراڑیں ڈالنا ایک مشکل کام ہے تو پھر وہ پینترا بدلتا ہے اور آستین کا سانپ بن کر نظریاتی سرحدوں پر وار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کی زمین ہم سے ہتھیائی نہیں جا رہی تو کوئی حرج نہیں، مگر ان کے ذہن اور سوچوں کو ضرور غلام بنانا ہوگا، پھر وہ نصاب میں تبدیلی کا نعرہ بھی لگاتے ہیں، قانون ختم نبوت کو بھی یہ اپنے قادیانی غلاموں کے لیے ختم یا کم از کم غیر مؤثر کروانا چاہتے ہیں۔ پھر وبائی امراض کی آڑ میں مساجد کو بھی بند کرنے کی مذموم کوششیں کی جاتی ہیں، پھر کبھی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنے کی بے معنی بات کی جاتی ہے اور کبھی آٹھ مارچ کو چند لامذہب آنٹیوں کو سڑکوں پر لا کر ”میرا جسم میری مرضی“ کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے اور سیکولر دجّالی میڈیا اس سارے پروپیگنڈے میں دُشمن کے شانہ بہ شانہ کھڑا رہتا ہے۔ اللہ جزائے خیر دے علمائے کرام کو، جو نظریاتی میدانوں میں ہر وقت چاق چوبند نظر آتے ہیں اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت نظریاتی دُشمنوں کے سامنے سینہ سپر رہتے ہیں۔

جغرافیائی سرحدوں کا دُشمن سر کی آنکھوں سے نظر آتا ہے، اس لیے اُن کا مقابلہ بھی آسان ہوتا ہے اور اُن کا مقابلہ کرنے والے قومی ہیرو بھی بنتے ہیں، جبکہ نظریاتی میدانوں کا دُشمن سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا، وہ پاکستانیوں کا رُوپ دھار کر آتا ہے اور ہمارے ہی ملک کے ٹی وی چینلوں پر بیٹھ کر پاکستان کے قومی نظریات کی دھجیاں اُڑا رہا ہوتا ہے اور قومی ورثے کی حفاظت کرنے والے علمائے کرام کو ترقی کا دُشمن بتا رہا ہوتا ہے۔

قارئینِ گرامی! پاکستان ہمارا وطنِ عزیز ہے، اس کے دفاع کے لیے ہم میں سے ہر ایک پاک فوج کا حصہ نہیں بن سکتا، لیکن ہم اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ میڈیا پر آنے والے کرائے کے دانش وروں کی چیٹنگ کو سمجھیں، اُن کے دَجل کا پردہ چاک کریں۔ دُشمن جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا کر دِکھانا چاہتا ہے، کیا ہم اس سمجھ داری کا مظاہرہ کر سکتے ہیں کہ صرف سر کی آنکھوں سے تھرکتی تصاویر کو دیکھنے کی بجائے دِل کی آنکھوں سے اس کے دَجل اور فریب کاریوں کو بھی سمجھ سکیں۔ ابھی دُشمن ایک اور وار تیار کر چکا ہے۔ اب وہ ناموسِ رسالت کا دُشمن بن کر نہیں، بلکہ بہ ظاہر ناموسِ رسالت کا محافظ بن کر آئے گا، مگر وہ اس کی آڑ میں میرے سادہ دِل پاکستانی بھائیوں کو اصل محافظین سے دور کرنے کی کوشش کرے گا، وہ تحریک ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے علمائے کرام سے عوام کو دُور کرنے کی کوشش کرے گا، تاکہ وقت آنے پر عوام کے جذبات سے کھیل کر اس قانون میں مرضی کی تبدیلی کر سکے۔ اب نیا وَار ”مائنس وَن فارمولا“ سیاست کے بعد دینی تحریکوں میں بھی چلانے کی تیاری ہے، تاکہ سمجھ دار اور ماہر علمائے کرام سے جان چھڑا کر چند جذباتی نوجوانوں کے ہاتھوں میں قیادت دی جائے اور پھر مرضی کے نتائج حاصل کیے جائیں تو قارئینِ گرامی! سوشل میڈیا اس کے مطابق متحرک ہو چکا ہے۔ اب گیند ہمارے کورٹ میں ہے کہ ہم کتنا اپنے علمائے کرام پر اعتماد کو بحال رکھتے ہیں! الحمد للہ! جب ہم نے ستر سال علمائے کرام کی سرپرستی میں نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کر لی تو اب بھی اِس پُر فتن زمانے میں یہ علمائے کرام دین کی حفاظت کی اہلیت پہلے سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں۔ بس ضرورت ہوشیار رہنے کی ہے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

النساء 25-29

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَيۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

ترجمہ: اور تم میں سے جو اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکیں تو وہ ان مسلمان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کر سکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہوں اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے، تم سب آپس میں ایک جیسے ہو، لہٰذا ان کنیزوں سے ان کے مالک کی اجازت سے نکاح کر لو، ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر کے انھیں پاک دامن بنایا جائے، نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لیے کوئی (ناجائز) کام کریں اور نہ خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں، پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہو گی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے۔ یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لیے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر ہی کیے رہو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ 25

تشریح نمبر:1۔ چوں کہ آزاد عورتوں کا مہر عام طور پر زیادہ ہوتا ہے اور باندیوں کا مہر کم، اس لیے ایک طرف تو حکم یہ دیا گیا ہے کہ باندیوں سے نکاح اسی وقت کیا جائے جب آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری طرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی باندی سے نکاح کی نوبت آجائے تو پھر محض اس کے باندی ہونے کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، کیوں کہ فضیلت کا اصل دار و مدار تقویٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کی ایمانی حالت زیادہ مضبوط ہے، ورنہ اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

تشریح نمبر:2۔ آزاد عورتیں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کے لیے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، جس کا ذکر سورۃ النور کی پہلی آیت میں آیا ہے۔ زیرِ نظر آیت میں باندیوں کے لیے اس کی آدھی سزا یعنی پچاس کوڑے مقرر فرمائی گئی ہے۔

يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (احکام کی) وضاحت کر دے اور جو (نیک) لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، تم کو ان کے طور طریقوں پر لے آئے اور تم پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے اور اللہ ہر بات کا جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔

وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا

ترجمہ: اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری طرف توجہ کرے اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر بہت دور جا پڑو۔ 27

يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے اور انسان کم زور پیدا ہوا ہے۔ 28

تشریح نمبر:3۔ یعنی انسان فطری طور پر جنسی خواہش کا مقابلہ کرنے میں کم زور واقع ہوا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خواہش جائز طریقے سے پورا کرنے سے نہیں روکا، بلکہ نکاح کو اس کے لیے آسان بنا دیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، اِلّا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین جانو! اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔

تشریح نمبر:4۔ اس کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانا حرام ہے، کسی کی جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے۔ دوسرے کی جان لینے کو "اپنے آپ کو قتل کرنے" سے تعبیر کر کے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا بالآخر اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے، کیوں کہ اس کے بدلے میں خود قاتل قتل ہو سکتا ہے اور یہاں قتل نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کی جو سزا ملنی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہو گی۔ اسی طرح اس تعبیر سے خودکشی کی ممانعت بھی واضح ہو گئی۔ دوسرے کسی کا مال ناحق کھانے کے ساتھ یہ جملہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ جب مال ناحق کھانے کا رواج معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ اجتماعی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے سات دنوں میں جمعے کو اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرہ اخیر کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرے کو بھی فضل ورحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے اور اسی لیے حج بھی انہی ایام میں رکھا گیا ہے، بہر حال! یہ رحمتِ خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

عَنِ ابْنِ عبَاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشَرَةِ

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو عمل صالح جتنا ان دس دن میں محبوب ہے، اتنا کسی دوسرے دنوں میں نہیں۔ (صحیح بخاری)

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يُقَلِّمَنَّ ظُفْرًا

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہیے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ کاٹے۔ (صحیح مسلم)

عید الاضحی کی قربانی

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ذالحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزندِ آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: "اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" ثُمَّ ذَبَحَ

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی اور سفیدی مائل سینگوں والے دو

خصی مینڈھوں کی قربانی ی، جب آپ نے ان کا رخ صحیح قبلے کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی: "اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح نمبر:1۔ قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ "میری جانب سے اور میری امت کی جانب سے یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی" ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی شفقت ورافت ہے، لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ساری امت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے امتیوں کی طرف سے قربانی کر دی اور سب کی طرف سے ادا ہو گئی، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! اس کے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما! ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہونا دوسری چیز ہے۔

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

DISCOVER THE REAL GREAT TASTE OF ALL THE FOOD YOU LOVE WITH SHANGRILA...

Our belief lies in doing ordinary things extraordinarily well and our mission serves the responsibility to deliver quality products while constantly striving to achieve new milestones.

www.shangrila.com.pk www.fruitio.com.pk ShangrilaPakistan

A PRODUCT OF ISO 22000-2005 9001-2015 CERTIFIED COMPANY

HALAAL S.A.N.H.A Pakistan's First Company Awarded HALAAL Certification By South African National Halaal Authority

Pakistan Standards

Member The Association for DRESSINGS & SAUCES, USA

FDA

PLMA PRIVATE LABEL MANUFACTURERS ASSOCIATION

Brands of the year Award IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS KETCHUP & SAUCES

CAP

یومِ آزادی کا وظیفہ

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

اگست کا مہینا 1947 میں ایک عظیم خوش خبری لے کر آیا تھا۔ 1857 کی جنگ آزادی اور پھر مسلسل محنت و کوشش اور قربانیوں کی بدولت 14 اگست 1947 رمضان کی مقدس گھڑیوں، نزول قرآن کی رات، لیلۃ القدر ستائیسویں شب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانانِ ہند کو زمین کا ایک حصہ جس کا نام پاکستان ہے، عطا فرمایا۔ پاکستان پاک ملک، پاک سرزمین کا نام ہے۔ آج کی نسل کو خبر ہی نہیں کہ اس آزادی کے پیچھے مسلمانانِ ہند کی کیا اور کتنی قربانیاں ہیں۔ حضرات علماء کرام نے کیسے جیلیں جھیلی ہیں اور آزادی کے متوالوں کو کس طریقے سے درختوں پر لٹکایا گیا۔ لاکھوں کی تعداد میں بچے یتیم ہوئے، ہزاروں عورتوں کو بے آبرو کیا گیا۔ آزادی کے متوالے ایک خطے کی محض رسمی آزادی کے لیے یہ سب کچھ نہیں کر رہے تھے، وہاں تو یہ نعرہ تھا اسلام کو آزادی ملے۔ پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ یہ نعرہ تھا۔ پیش نظر یہ تھا کہ اسلام کو آزادی ملے۔ انگریز کے دور حکومت میں کسی چیز پر پابندی نہیں تھی۔ پابندی تھی تو صرف اسلام پر اور سچے مسلمان پر۔ وہاں کلب موجود تھے، شراب نوشی کی آزادی تھی، سود خوروں کے لیے واہ واہ تھی۔ انتظامی ادارے نہ صرف موجود تھے بلکہ بہتر کام کر رہے تھے۔ پولیس کا یہ نظام ایس پی، ڈی ایس پی، آئی جی یہ انگریز کا بنایا ہوا تھا بلکہ فوج کا نظام بھی موجود تھا جو فوج ہمارے حصہ میں آئی اس کا نام پاکستان آرمی رکھ دیا گیا۔ یہ سب چیزیں اس وقت بھی موجود تھیں۔ وہاں ناچ گانے موسیقی کو آزادی تھی، وہاں انگریز کے نوکروں کے لیے بڑے بڑے مفادات، بڑے بڑے معاوضے، بڑی بڑی زمینیں اور جاگیریں تھیں۔ انگریز کے زمانے میں یہ ساری آزادیاں موجود تھیں۔

سوچنا چاہیے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اتنی قربانی دینے کی کیا ضرورت پڑی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ایک چیز تھی، اسلام کو آزادی ملے۔ خالص مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے اللہ کے نظام عدل پر زندگی گزار سکیں، اس کی گلیوں میں، اس کے بازاروں میں، اس کے گھر کی دہلیز سے لے کر، اس کی عدالتوں اور اس کے ایوانوں کے اندر اسلام کے نظام عدل کا بول بالا ہو گا۔ اسلام کو آزادی ملے گی۔ مسلمان کے یہاں پیش نظر صرف آزادی نہیں ہوتی اصل مقصد ایک زمین کا ٹکڑا لینا نہیں ہوتا بلکہ یہ آزادی ایک عظیم مقصد کے تحت ہوتی ہے اور وہ مقصد وہی ہے جو مسلمان کی زندگی کا مقصد ہے۔

آج ہم جسے آزادی سمجھ رہے ہیں، وہ سب کچھ تو موجود تھا اگر ناچنے میں آزادی چاہیے ہوتی تو یہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر اور زیادہ اچھی طرح حاصل ہو سکتی تھی، اگر بے حیائی کو فروغ دینا تھا تو یہ کراچی اور لاہور کے مقابلے میں بمبئی میں زیادہ اچھے طریقے سے حاصل تھی، اس میں ترقی ہو رہی تھی اگر گلوکار ہی بننا تھا قوم کو موسیقار ہی بنانا تھا تو ہندوؤں کے ساتھ رہ کر اس میں بہت ترقی کی جا سکتی تھی لیکن اتنی عظیم الشان قربانی کسی مقصد کے لیے تھی لاکھوں شہداء، ہزاروں ماؤں بہنوں بیٹیوں کی عزتیں تاراج ہوئیں لاکھوں بچے یتیم ہوئے اور جذبہ ایسا کہ علماء و مورخین نے لکھا ہے جس پر حملہ ہوتا وہ زخموں سے چور ہوتا لیکن جان کنی کی حالت میں بھی وہ اپنا رُخ پاکستان کی طرف کر دیا کرتا۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنے سامنے ذبح ہوتے دیکھتیں لیکن ان کا ضمیر مطمئن تھا کہ قربانی ہم اسلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اسلام آزاد ہونے جا رہا ہے۔ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے اللہ کے نظام پر زندگی گزار سکے گا۔ اس پر میری بچیاں میرے بیٹے، شوہر اور والد قربان ہو جائیں ہر شخص اسے اپنی سعادت سمجھ رہا تھا۔ بے مثال قربانیوں اور لازوال جدوجہد کی داستانیں ہیں، افسوس ہماری نئی نسل کو یہ تاریخ نہیں پڑھائی جاتی۔

ہر سال جب آزادی کا دن آتا ہے، یہ سمجھا جاتا ہے کہ آزادی کا مطلب ہے کہ ہر شرافت کی حد سے آزاد ہو جاؤ اور جو چاہو کر لو۔ کلب گندگیوں سے بھر جائیں، کھلے عام شراب پینے لگ جائیں، گلی محلے سڑکوں میں موسیقی گانوں کی آوازیں آزاد۔ انہیں کیا پتا جس آزادی پر یہ جھنڈے لہرا رہے ہیں اس کے پیچھے خون کی ندیاں بہی تھیں اور وہ آزادی کسی بلند مقصد کے لیے حاصل کی گئی تھی۔ مسلمانانِ ہند کے پیش نظر تھا کہ اسلام آزاد ہونے جا رہا ہے اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے گھر کی زندگی سے لے کر بازار کی زندگی سے لے کر عدالت میں اسے اسلام کا انصاف ملے گا، اسے معاشرے میں اسلامی مساوات ملے گی۔ اس کے ایوانوں سے ایسے ضابطے اور قانون بنیں گے جس سے اس کی نئی نسل کا ایمان اور جان محفوظ رہے گا۔ اسے یہ تحفظ ملے گا اس کی آئندہ نسل اس کی اولاد آزادی کے ساتھ اسلام پر زندگی گزار سکے گی۔ یہ خطہ اس لیے حاصل کیا گیا تھا۔ لیکن اس زندگی کے حقیقی مقصد سے بے وفائی کی تو یہ ملک پگھلنا شروع ہو گیا۔ یہ قوم

تقسیم ہونا شروع ہو گئی۔

1947 میں مسلمان ایک جان تھے۔ پھر جب آزادی کے اس مقصد سے ہم نے بے وفائی کی ہے تو ایک طرف ہمارا ایک حصہ 1971ء میں ہم سے جدا ہو چکا۔ دوسری طرف اس قوم کی تقسیم در تقسیم کا حال دیکھیے کیسے نفرتوں کا شکار ہے، آپس میں دست و گریبان ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ اقتدار کی سرپرستی میں نفرت کو آکسیجن دی جاتی ہے۔ کبھی لسانیت کے مردہ بت کو آکسیجن دے کر زندہ کیا جاتا ہے اور کبھی فرقہ واریت کو آکسیجن دے کر اسے توانا کیا جاتا ہے۔ اور اقتدار پرستی جو وطن عزیز کے لیے سب سے بڑا خطرہ بنا ہوا ہے۔ اس کی خاطر ہر طرح کی سودے بازی کر لی جاتی ہے ہمارا جو حصہ اور ٹکڑا تقسیم ہوا ہے، اس تقسیم کے پیچھے اقتدار ہی کا نشہ تھا اور اتنا بڑا ظلم کرنے والوں میں کبھی شرمندگی نہیں دیکھی گئی بلکہ انہیں اس پہ فخر ہے اور وہ اس کو اپنا عظیم کارنامہ سمجھتے ہیں حالاں کہ انہیں اس غلطی پر توبہ کرنی چاہیے تھی کہ آزادی کے متوالوں اور شہداء کے ساتھ اتنی بے وفائی اور اتنا ظلم کیا۔

سچ تو یہ ہے پاکستان بنانے والوں نے اپنا کام پورا کیا۔ قربانیاں دیں جب کہ آج 73 سال ہو گئے ہیں اور ہم اس آزادی کا اصل مقصد پورا نہ کر سکے اور ہمیں اس پر کوئی شرمندگی و افسوس بھی نہیں۔ کم از کم یہی ہوتا کہ ہر سال 14 اگست کے دن مسلمانان پاکستان اور وطن عزیز کے سربراہان اس غلطی کا احساس کریں اور تجدید عہد کریں کہ آزادی جس مقصد کے لیے حاصل کی تھی، ہم سب مل کر اس مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔

لیکن ہر آنے والا دن ہمیں آزادی کے مقصد سے اور دور کر دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ ملک کھوکھلا ہوتا چلا جا رہا ہے پگھلتا چلا جا رہا ہے۔ ہر طرف نفرتوں کی آواز ہے، بڑا خطرناک اژدہا ہے، لسانیت وطنیت کے عصبیت کے فرقہ واریت کے اور اقتدار پرستی کا۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جو ملک کو عدم استحکام کا شکار کرنے کے لیے یہ اژدہے کھڑے کیے گئے ہیں اور بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیشہ انہیں آکسیجن کہاں سے ملتی ہے طاقت ور طبقے سے۔ انہیں توانائی کب ملتی ہے اقتدار کے طبقے سے۔ جب اس فرقہ واریت کے بت سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے اسے فروغ دیا جاتا ہے جب اس کی ضرورت نہیں ہوتی اسے سلا دیا جاتا ہے پھر لسانیت کے بت کو تازگی دی جاتی ہے اسے آکسیجن دی جاتی ہے، وہ بت کھڑا کیا جاتا ہے اور رہی سہی کسر اقتدار پرستوں کی یہ جنگ جس کی وجہ سے روز بروز اس وطن عزیز کے استحکام کے لیے بڑا خطرہ سامنے آ رہا ہے۔ تو جشن آزادی کی حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسا ہو جائے کہ اسے اپنا احتساب کا دن بنا لیا جائے ہر شخص سوچے، اپنی ذمے داری کے بارے میں کہ کیا کوتاہی کی ہے صرف حکمرانوں کا مسئلہ نہیں ہے صرف خواص کا مسئلہ نہیں ہے معاملہ صرف عوام تک نہیں ہے ہر طبقے نے آزادی سے اپنا دنیاوی فائدہ اٹھایا ہے لیکن جو آزادی کا حقیقی مقصد ہے جو شہدا کا مقصد تھا جو ہمارے محسنوں کی قربانیاں ہیں اس کے لیے وطن عزیز کے باشندوں نے کیا کیا۔ برسر اقتدار طبقے کی تو ذمہ داری تھی، اس آزادی کے سلسلے میں کہ وہ اپنی طاقت کی بنیاد پر اسلام کا عادلانہ نظام نافذ کرتا۔ خواص کا اہل علم کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنی زندگیاں دین کی خدمت میں مسلمان قوم کی اصلاح کے لیے وقف کر دیتے اور عوام کی یہ ذمے داری تھی کہ اپنے دائرہ کار میں اسلام کی اس شمع کو روشن کرتے کہ بازار مسلمانوں کے ہیں گلی محلے مسلمانوں کے ہیں گھر مسلمانوں کے ہیں خود ان کی اپنی شخصیت مسلمان ہے لیکن اسلام کی بہار کتنی نظر آتی ہے۔ وہاں اسلام کے کتنے احکام زندہ ہیں اگر ہم صرف یہ امید لگا بیٹھیں کہ سب کچھ اقتدار کا طبقہ ہی کرے گا۔ ایسا نہیں ہے سب کو اپنا حصہ ڈالنا ہو گا اس کے لیے کوشش کرنا ہو گی۔

اللہ فرماتا ہے اسلام کے نظام کے خلاف زندگی گزارے اور ظلم کی زندگی اختیار کرے نا انصافی کی زندگیاں اختیار کرے تو اس سے آنے والا جو طبقہ ہو گا وہ اس سے زیادہ ظالم ہو گا اگر یہ خود دینی زندگی سے بے زار نظر آئے اسلامی عدل و انصاف کی زندگی سے بازاروں میں اپنے غمی و خوشیوں میں اپنے بچوں کی زندگی میں بے زار نظر آئے تو برسر اقتدار طبقہ اس سے بڑا نا انصاف اور اسلام بے زار آئے گا۔ تو یہ دن آزادی کا یوم احتساب کے طور پر منائیں تھوڑا سا احتساب ہو کہ ہمارے بڑوں نے ہمارے محسنوں نے ہمارے شہدا نے وطن عزیز کی حقیقی آزادی کے متوالوں نے اس آزادی کے لیے کیا کچھ قربان کیا اور آیا ہم اس آزادی کی تکمیل کی طرف جا رہے ہیں اور آزادی کے حقیقی مقصد کی طرف ہمارے قدم اٹھ رہے ہیں۔ باقی محض روزگار مل جائے معیشت مل جائے کاروبار اچھا ہو جائے فیکٹریاں لگ جائیں کارخانے لگ جائیں معیشت اچھی ہو جائے تو یہ تو ایک لادین اور بے دین ملک کے اندر بھی ان سب چیزوں کی گنجائش موجود ہے یہ تو آپ کو کینیڈا، آسٹریلیا، امریکا اور یورپ کے اندر بھی سب چیزیں محنت کی بنیاد پر مل سکتی ہیں۔ یہ خطہ تو اس لیے لیا تھا یہاں اسلام کو آزادی ملے ہر طرف اسلام کا عدل و انصاف نظر آئے قومی سطح پر بھی عدالتی سطح پر بھی اور مسلمانوں کے بازار اور انفرادی زندگی کے اندر بھی اسلام نظر آئے کتنی بڑی بدقسمتی ہے یہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا اسلام اس کا مقصد تھا اس لیے قربانیاں دی گئیں اور مسلمانان پاکستان آج تک ایسے تعلیمی ادارے نہ بنا سکے جہاں ان کی اولادیں اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں اور ساتھ ساتھ اپنا اسلامی تشخص بھی برقرار رکھ سکیں اسلامی شعار کی حفاظت بھی کر سکیں اپنا ایمان اسلام بھی محفوظ کر سکیں۔ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ وطن عزیز آزاد ہوا ایک خطہ ملا لیکن نہ ان کا نظام سیاست آزاد ہوا نہ نظام معیشت آزاد ہوا نہ نظام تعلیم آزاد ہوا تو ذہنی طور پر اب بھی غلامیت کی زندگی گزر رہی ہے۔ ذہنی اور فکری طور پر اب بھی غلام ہیں جسموں کے لحاظ سے آزادی ہوئی۔ اس آزادی کی تکمیل یہ تھی اور اس آزادی کے ثمرات تب ملتے جب اس آزادی کے مقاصد پیش نظر ہوتے یعنی اسلامی زندگی۔ اس کے لیے جدوجہد ہو اور اپنی ذات سے اس کا آغاز کریں۔ اپنے گھر کی دہلیز سے اس کا آغاز کریں اس کے بازاروں سے آغاز کریں جب مسلمان قوم اپنی انفرادی زندگی میں اور اپنے ماتحت زندگی میں اسلام کو زندہ کرے گی تو اللہ پھر اپنا فضل فرمائیں گے ان ظالموں سے اور دین بے زاروں سے بھی اللہ ایک دن نجات عطا فرمائیں گے اور پھر مسلمانوں کو حقیقی آزادی ملے گی۔ اس کا نظام عدل اس کا نظام حکومت اس کا نظام عدالت اس کا نظام حفاظت یہ سارے کا سارا اسلام کے عدل میں اور اس کے سانچے میں ڈھلتا چلا جائے گا۔ اللہ رب العزت ہمیں اس آزادی کی نعمت کی قدردانی اور حفاظت کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین

مجھ کو دیکھیں گے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قسط نمبر 17

بعد صلوٰۃ میں نے دروازے کا مشاہدہ کیا۔ یہ دیکھ کر میرے تجسّس میں بے پناہ اضافہ ہو گیا کہ اور جگہوں کے مقابلے میں اس جگہ جالیوں کے اندر اندھیرا نسبتاً کم تھا اور پھر میری آنکھوں نے وہ حیرت انگیز منظر دیکھا، جس کی میں توقع نہیں کر رہا تھا۔ مجھے مار بل کا ایک تکون ٹکڑا دروازے کی سیدھ میں نظر آیا۔ تھوڑا اُچک کر دیکھا تو اس کے آگے کی جانب ایک پتلا ماربل کا پتھر کھڑا ہوا تھا، گویا وہ ایک قبر کا نقشہ نظر آ رہا تھا۔ ایک دن جب میری اہلیہ روضۂ طیبہ پر سلام کر کے آئی تھی تو اس نے مجھ سے کہا تھا کہ روضۂ رسولؐ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی بھی شناخت ہوا کرتی تھی۔ دراصل میرے سُسر ملازمت کے سلسلے میں بیسویں صدی کی آخری دِہائی کے اندر کئی برس مکہ میں رہے تھے۔ وہ حیران تھی کہ یہاں پر نہ صرف اب لکھا ہوا نہیں ہے، بلکہ عام طور پر خواتین سے پوچھو تو وہ بھی لاعلمی کا اظہار کرتی ہیں۔

میرے ذہن میں اس کی یہ باتیں گردش کر رہی تھیں کہ اتنے میں ایک نوجوان، جو عالم دِکھتا تھا اپنے بچے کی انگلی پکڑے میرے پاس سے گذرا۔ میں نے اس سے استفسار کیا تو اس نے کہا یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کی لحد مبارک ہے۔ (واللہ اعلم) روضۂ طیبہ کو جالی دار احاطے میں اچھی طرح محفوظ کیا ہوا ہے۔ ریاض الجنتہ کی جانب سے دیکھیں تو ستونوں کے درمیان جالیوں کے 6 سیکشن بنے ہوئے ہیں۔ ان میں دوسرے اور تیسرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے پہلے دو خلفائے راشدین مدفون ہیں۔ حدیث کے مطابق یہیں حضرت عیسیٰؑ کی قبر مبارک کے لیے بھی جگہ رکھی ہوئی ہے، پھر پانچویں سیکشن میں جس میں دوسری جانب دروازہ لگا ہوا ہے، حضرت فاطمہؓ کی جائے سکونت ہے۔ بعد ازاں میں نے انٹرنیٹ پر روضۂ طیبہ کے اندرونی مناظر سے روشناسی کے لیے ایک تھری ڈی ویڈیو دیکھی، جس میں اندرون احاطۂ روضہ امکانات کی نشان دہی کی گئی ہے، جب کہ دروازے کو حضرات فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما کے گھر کا دروازہ بتلایا گیا ہے۔ یہ بات بھی تصدیق شدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کا گھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر کے برابر میں تھا۔ یہ سب دیکھ کر میں عطائے اِلٰہی کی بارش میں بھیگتا بابِ جبرئیل سے باہر نکل آیا۔

مسجدِ نبوی کے اطراف میں:

بابِ جبرئیل سے میں اور خبیب مسجد کی مغربی سمت میں ایک نسبتاً خالی جگہ پر تلاوتِ قرآن اور قیلولہ کے لیے آ گئے۔ مختلف ستونوں پر جا بجا لوگ محوِ استراحت، محوِ تلاوت اور بعض گفتگو میں مصروف تھے۔ میں قرآنِ پاک پڑھ رہا تھا کہ ایک دم سورج کی روشنی اے۔ سی زدہ خنک ماحول میں طمانیت کی لہر دوڑاتی جسم پر پڑی۔ سر اٹھایا تو مسجدِ نبوی کا ایک خوب صورت سلائیڈنگ ڈوم چھت پر سے سِرک رہا تھا۔ مسجد کے منفرد نوعیت اور سنہری و فیروزی رنگوں کے امتزاج والے یہ گنبد نہایت خوب صورت ہیں اور بیرونی صحن کی چھتریوں کی طرح ان کا بھی کھلنا بند ہونا نہایت قابلِ دید ہوتا ہے۔ ایک کے بعد ایک گنبد سرکنے لگے۔ خبیب نے ایک گنبد کے بند ہونے کا دل کش منظر موبائل ویڈیو میں مقید بھی کیا۔ خبیب نے وہاں کچھ لوگوں کو عطر لگایا اور اس کے بعد ہم نے باہر صحن میں کچھ مسواکیں تقسیم کیں، جو لوگوں نے شوق سے وصول کیں۔ وہیں گیٹ نمبر 5 پر نظر پڑی تو اس کے ساتھ ایک عمارت میں قرآن ایگزیبیشن لکھا ہوا نظر آیا۔ میں ایکسائٹڈ ہو گیا، مگر پاس گئے تو معلوم ہوا کہ دو بجے بند ہو چکا ہے اور اس وقت پونے تین ہو رہے تھے۔ اگلا وقت 4 سے 8 بجے تک کا تھا، مگر پھر جانا ممکن نہ ہوا۔ گیٹ نمبر 28 کے قریب صحن میں ایک دیوار پر مسجدِ نبوی کا مکمل رنگین نقشہ مع وضاحتوں کے دیا ہوا تھا۔ خیر...

!! ہم گیٹ نمبر 6 اور 7 کی طرف بڑھے۔ باہر نکلے تو مسجدِ غمامہ ہمارے سامنے تھی۔ یہ وہ مسجد ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارش کے لیے نمازِ استسقاء پڑھائی تھی اور فوراً ہی غمامہ یعنی بادل اُمڈ آئے تھے اور بارش ہو گئی تھی۔ سرمئی رنگ کی اینٹوں سے تعمیر شدہ اس مسجد کی پانچ مصلّی نُما داخلی محرابیں ہیں، جب کہ کئی گنبد ہیں، جن پر گنبدِ مسجدِ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح کبوتر اُڑ اُڑ کر آ بیٹھتے ہیں، جو ساتھ ہی بنی ہوئی ہے۔ یہ سیّدنا ابوبکرؓ کا گھر تھا۔ اس کی سامنے کی دیوار بھی سرمئی رنگ کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہے اور سمندری سبز رنگ کی تختی پر مسجد کا نام درج ہے۔ میں نے نوٹ کیا کہ مکان چھوٹا تھا، مگر عمارت یقیناً خوب صورت تھی۔ کچھ دیر میں ٹکٹکی باندھے اس دروازے کو دیکھتا رہا۔ میں سوچنے لگا کہ اس چھوٹے سے مکان کے مالک کا جنت میں مکان کتنا بڑا ہوگا۔ یقیناً محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتیوں میں سب سے بڑا اور سب سے بہترین، پھر اس کے عقب میں کچھ آگے مسجدِ علیؓ بنی ہوئی ہے، جو رقبے میں کچھ بڑی اور سفید رنگت کی حامل ہے۔ یہاں کتھئی رنگ کی گول تختی پر مسجد کا نام لکھا ہوا تھا۔ یہ تینوں بیان کردہ مساجد بند تھیں، غالباً اس لیے کہ مسجدِ نبوی کے بالکل قریب واقع ہیں۔

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں کہیں
Dream
You'll never
want to leave
your Room
Perfect®
Freshener
Room
Freshener
Dream
LA PERFUME
Dry
300 ml e
perfectairfreshener PFreshener
www.se.com.pk
https://www.daraz.pk/shop/house-of-perfect
Imported & Marketed by
Shakeel Enterprises
www.se.com.pk

بے پر پرندہ

پروفیسر محمد اسلم بیگ

ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار کسی دوسرے شہر سے اپنے گھر واپس آرہا تھا۔ راستے میں جنگل سے گزرتے ہوئے ایک درخت پر اُس کی نظر پڑی تو اُس کی شاخوں پر بہت سے طوطے بیٹھے دکھائی دیے۔ درخت کے نیچے دیکھا تو زمین پر بھی کچھ طوطے ایک دوسرے سے کھیل رہے تھے۔ اتنے سارے طوطوں کو اکٹھے دیکھنے کا یہ منظر اُسے بہت بھلا لگا اور اُس کا جی چاہا کہ وہ ایک دو طوطے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن جوں ہی وہ گھوڑے سے اتر کر طوطوں کی طرف بڑھا، وہ سب اُڑ کر درخت پر جا بیٹھے۔ البتہ ایک طوطا اُسے اپنے ساتھیوں سے دور الگ بیٹھا نظر آیا۔ وہ تھا بھی بہت خوب صورت۔ وہ آسانی سے اُس کے ہاتھ آگیا۔ گھر پہنچا تو بچے اس خوب صورت طوطے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اُس نے راستے سے خریدے ہوئے ایک پنجرے میں اسے بند کیا اور ایک ہوادار جگہ پر رکھ دیا۔ اُس کی خوراک اور پانی کا خیال رکھا۔ پھل، روٹی، سالن جو گھر والے کھاتے، اُسے بھی کھلاتے۔ بچے اُس سے باتیں کرتے۔ آہستہ آہستہ طوطا بھی اُن سے مانوس ہو گیا اور ان کی بولی کے کئی الفاظ بھی اُس نے سیکھ لیے۔

کچھ عرصے بعد اُس آدمی کو دوبارہ اُس طرف کا سفر پیش آیا تو اُس نے جاتے ہوئے طوطے سے پوچھ لیا: ”میاں مٹھو! میں تمہارے دیس جا رہا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کو کوئی پیغام دینا ہو تو بتاؤ۔“ طوطے نے کہا۔ ”نہیں میرا سلام کہنا اور بتانا کہ میں انہیں بہت یاد کرتا ہوں۔“ آدمی کو اُس جگہ سے گزرتے ہوئے جب درخت پر طوطے بیٹھے نظر آئے تو اُس نے انہیں اُن کے بچھڑے ہوئے ساتھی کا سلام اور پیغام پہنچایا۔ طوطے یہ سنتے ہی بے ہوش ہو کر زمین پر آگرے۔ آدمی نے جب ایک دو کو ہلا کر دیکھا تو وہ بالکل بے جان محسوس ہوئے۔ لگتا ہے اپنے ساتھی کے قید ہونے کی خبر سن کر صدمے سے مر گئے ہیں۔ یہ سوچتا ہوا وہ افسوس کرکے آگے بڑھ گیا۔ سفر سے واپس آکر اُس نے پنجرے میں قید طوطے کو اُن کا یہ حال بتایا تو وہ بھی سنتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ آدمی کو اور بھی زیادہ افسوس ہوا کہ یہ طوطا بھی اپنے ساتھیوں کی موت کی خبر سن کر فرطِ غم سے مر گیا ہے۔ پنجرے کا دروازہ کھول کر اُسے باہر نکالنے لگا تو طوطے نے اپنے پَر پھڑ پھڑائے اور اُٹھ کر سامنے دیوار پر جا بیٹھا۔ آدمی اُسے حیران ہو کر دیکھنے لگا تو طوطا بولا: ”میرے ساتھیوں نے مجھے اپنے پاس آنے کا طریقہ بتایا تھا۔ آزاد ہونے کے لیے مرنا پڑتا ہے۔ اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔ اللہ حافظ۔“

ہم میں سے سب نے نہیں تو اکثر نے یہ کہانی پہلے بھی ضرور پڑھی، سنی ہوگی۔ بظاہر یہ بچوں کی کہانی ہے لیکن اس میں بچوں، بڑوں سبھی کے لیے ایک سے زیادہ سبق موجود ہیں جن پر شاید ہم نے کم ہی غور کیا ہو۔

پہلا سبق: اپنوں کے ساتھ اکٹھے اور مل جل کر رہنے ہی میں عافیت اور برکت ہے۔ اگر یہ خوب صورت طوطا سب ساتھیوں سے دور الگ نہ بیٹھا ہوتا تو قید ہونے سے بچ جاتا۔ پیارے وطن پاکستان میں رہنے والے ہم سب بچوں، بڑوں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان یا مہاجر کی حیثیت سے بالکل کمزور ہیں، تنہا ہیں۔ ہماری اصل طاقت پاکستانی ہونے اور کہلانے میں ہے۔ پاکستان سے الگ ہو کر ہم دشمن کا آسان تر نوالہ بن سکتے ہیں۔

موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

دوسرا سبق: وہی ہے، جو طوطے نے بتایا کہ آزاد ہونے کے لیے مرنا پڑتا ہے۔ ہمیں یہ ملک ویسے ہی نہیں مل گیا۔ انگریز استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لیے ہم نے دس بیس نہیں بلکہ سو سال سے بھی زیادہ طویل جدوجہد کی ہے۔ بہادر اور غیرت مند ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت سے شروع ہونے والی قربانیوں کی یہ داستان ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کے شفق رنگ لہو سے رنگین ہے۔ شہیدوں کا اصلی لہو ہی آزادی کی سچی داستانوں کی سرخی سے بنتا ہے۔

اپنے ہمسایہ ملک افغانستان ہی کی مثال لے لیں۔ طالبان نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر امریکا اور اس کے چار درجن سے زیادہ اتحادی ممالک کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آج کل مقبوضہ کشمیر میں مظلوم کشمیری بھارتی جبر و تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لیے روزانہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ یہی صورت حال فلسطین میں ہے، جہاں ایک عرصے سے فلسطینی نوجوانوں، خواتین بچے بوڑھے سب یہودی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جانوں کی قربانی دے رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس آزادی کی قدر کرتے ہوئے اپنے پیارے آزاد وطن میں امن وامان اور بھائی چارے سے رہنا چاہیے۔

ہمارا دین ہم سے موقع محل کی مناسبت سے مختلف قسم کی قربانیوں کی توقع کرتا ہے تاکہ ہم ایک باعزت، باوقار اور خوش حال زندگی گزار سکیں۔ بقیہ ص 14 پر

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

سوال: عید الاضحیٰ کے موقع پر تمام دنیا کے صاحب استطاعت مسلمان سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اپنی حیثیت کے مطابق جانوروں کو ذبح کرکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ اسلام کے اس فلسفہ قربانی پر بعض جدت پسند اور عقل پرست لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ: "اتنے سارے جانوروں کا خون بہانا عقلی اعتبار سے سنگ دلی اور ظلم ہے، نیز اقتصادی اعتبار سے بھی یہ کام مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ مسلمان قوم کا اتنا روپیہ جو تین دن میں جانوروں کے ذبح پر ہر سال خرچ ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی خاطر خواہ مفاد نظر نہیں آتا اگر یہی پیسہ رفاہی اور قومی مفادات پر لگایا جائے تو بہت فائدہ حاصل ہو"

آپ سے گزارش ہے کہ اسلام کے اس اہم مسئلے پر قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمادیں، تاکہ مجھ جیسے کمزور ذہنوں کی تسلی کا سامان ہو جائے۔

جواب: واضح رہے کہ آپ کے مذکورہ سوال میں دو مختلف اعتراضات کا ذکر ہے:

- قربانی کے جانور ذبح کرنا ظلم ہے ● یہ عمل اقتصادی اعتبار سے نقصان دہ ہے۔

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اگر چند باتیں ملحوظِ خاطر رکھی جائیں تو خود ہی اس اعتراض کا بے وزن ہونا واضح ہو جائے گا:

- فلسفہ قربانی دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے خون اور گوشت کی ضرورت نہیں اور وہ ایسی پاک اور عظیم الشان ذات ہے جو نہ کھالوں کی محتاج ہے اور نہ گوشت کے چڑھاوے کی، بلکہ وہ یہ سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح قربان ہو جاؤ جس طرح یہ جانور قربان ہوا ہے، نیز یہ بھی تمہارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے اپنا قیمتی اور پیارا جانور قربان کردو۔
- قربانی کو ظلم اور خلافِ عقل کہنے والے کیا یہ نہیں سوچتے کہ ہمیشہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلے میں قربان کی جاتی ہے؟ یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً: اگر کوئی زہریلا سانپ کسی کو ڈس لے تو فوراً وہ انگلی کاٹی جاتی ہے، تاکہ باقی جسم زہریلے اثرات سے محفوظ رہے، گویا انگلی تمام جسم کے لیے قربان کی جاتی ہے، اور اس کو عین عقل مندی شمار کیا جاتا ہے۔
- اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجائے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو، اس کی خوشی کے لیے قربان کرنا پڑتا ہے: گھی، آٹا، گوشت اور دیگر قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔
- اس سے زیادہ عزیز دوست ہو تو مرغے، حتیٰ کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر بھی گائے اور اونٹ بھی عزیز مہمان کے لیے قربان کردیے جاتے ہیں۔
- جیساکہ عرض کیا کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کی خاطر قربان کیا جاتا ہے۔ مثلاً: خاکروب ہیں، اگرچہ عید کا دن سب کے لیے ہوتا ہے، مگر ان بے چاروں کے سپرد وہی کام ہوتا ہے، یعنی گلی محلوں کی صفائی ستھرائی، بلکہ عید کے دنوں میں تو ان کو اور زیادہ تاکید ہوتی ہے کہ لوگوں کی آسائش وآرام کی خاطر کوئی گندگی کسی گزرگاہ میں نہ رہنے دیں۔ گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی۔
- ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لیے اور وہ افسر اپنے اعلیٰ افسر کے لیے اور وہ اعلیٰ افسر اپنے وزیر کے لیے قربان ہونا ایک فطری بات ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی اس فطری مسئلہ کو برقرار رکھا اور جانوروں کی قربانی میں تعلیم دی کہ ادنیٰ (جانوروں کی طرح نفسانی خواہشات وغیرہ) کو اعلیٰ (اللہ تعالیٰ کی ذات) کے لیے قربان کردو!
- تمام اقوامِ عالم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے ظلم و ستم سے پاک ہیں اور وہ رحمٰن ورحیم ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کا فعل ملاحظہ ہو کہ فضاؤں میں چیل، باز، شکرے، گدھ اور دیگر شکاری پرندے موجود ہیں اور ان کا کام کمزور اور چھوٹے پرندوں کا گوشت کھانا ہے اور بس! گھاس اور عمدہ عمدہ پھل وغیرہ کھانے سے تو وہ رہے، نیز آگ میں پروانے کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ پھر دریاؤں اور سمندروں پر غور کیا جائے کہ اس میں کس قدر خوں خوار آبی جانور موجود ہیں: بڑی بڑی مچھلیاں اور دیگر جانور چھوٹے چھوٹے آبی جانوروں کو کھاجاتے ہیں۔ اسی طرح خشکی کا نظارہ بھی ملاحظہ ہو کہ چیونٹی کھانے والا جانور، مکھیوں کا شکار کرنے والی مکڑی، چوہوں کو ہلاک کرنے والی بلی، بندروں کو چیر پھاڑنے والے چیتے کس ذات کی پیداوار ہے؟ جنگل میں شیر، بھیڑیئے اور تیندوے کی جو غذا مقرر ہے وہ کسے معلوم نہیں ہے؟

اب بتلائیں! اس نظارۂ عالَم کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ کائنات کی پنہائیوں میں جاری یہ قانونِ ذبح اور ہر طرف کا خون خرابہ (جو عام طور پر جاری ہے) یہ کسی ظلم کی بنا پر ہے، ہر گز نہیں! پھر قربانی کرنے والے مسلمان پر جانور ذبح کرنے کے ظلم کے الزام کا کیا مطلب؟ ذرا اس پر بھی غور کریں کہ انسان کے سر میں جوئیں پڑ جاتی ہیں یا کیڑے پڑ جاتے ہیں، پھر کیسی بے باکی سے ان کی ہلاکت کی کوشش کی جاتی ہے، کیا اس کو ظلم کہا جاتا ہے؟ جب اسے ظلم نہیں کہتے، بلکہ جواباً یہ کہا جاتا ہے کہ اعلیٰ کے لیے ادنیٰ کا قتل جائز ہے تو پھر قربانی کے ذبح کو ظلم کیسے کہا جاسکتا ہے؟ (بحوالہ: احکامِ اسلام عقل کی نظر میں، بہ تغیر واضافہ)

آپ کے سوال میں مذکور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "ذبح قربانی کا یہ عمل اقتصادی اعتبار سے غیر مفید، بلکہ نقصان دہ ہے" اس کے بارے میں بھی چند باتیں ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے:

- پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور دیگر عبادات کی طرح اہم عبادت

ہے، جیسے: حج، زکوۃ اور دوسری مالی عبادات۔ تو کیا ان عبادات کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ فضول خرچی اور مال کو بے جا خرچ کرنا ہے؟ اس طرح تو دین کا بہت بڑا حصہ اور بہت سے دینی احکام کا اسلام سے تعلق ہی ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا جب یہ بات معلوم ہوئی کہ شریعت میں قربانی کا حکم ہے تو بحیثیت مسلمان اس حکم کو عقلی اعتراضوں اور ذہنی ڈھکوسلوں کا نشانہ بنانا کسی طرح درست نہیں۔

● دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں ہونے والی دیگر اور اصل فضول خرچیاں (جن کا شریعت نے بھی حکم نہیں دیا، بلکہ روکا ہے) ان لوگوں کو نظر نہیں آتیں، جبکہ اصل میں تو ان کے ختم کرنے اور مٹانے کی ضرورت ہے۔

عالم اسلام میں مسلمانوں کی کتنی بڑی تعداد ایسی ہے جو منشیات، سٹہ، جوئے بازی، ناچ گانا، فحش پروگرام، ٹی وی، کیبل، سینما، فضول تصویر سازی، نیوز چینل کے نام پر فحاشی و عریانی کی ترویج، بسنت میلہ، میوزک اور دیگر اخلاق باختہ کاموں کی آڈیو ویڈیو سی ڈیز، مختلف مواقع پر آتش بازی، شادی بیاہ، مرگ و موت اور غمی خوشی کی فضول رسومات، مختلف فیشنز، نیو ایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے اور غیر شرعی بیوٹی پارلرز وغیرہ کی زَد میں ہے۔

اگر فضول خرچی کی روک تھام کے لیے کوئی فکر مند ہے اور ملک و قوم کو اقتصادی ترقی پر گامزن کرنے کے لیے کوئی اتنا بے چین ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ان مذکورہ بالا فضولیات کی حوصلہ شکنی کرے اور وہ اس کے خلاف آواز اٹھائے کہ کروڑوں کھربوں کی مالیت کی یہ رقم اگر قومی اور رفاہی مفادات پر خرچ کی جائے تو ہماری اقتصادی ترقی کا خواب بہت جلد شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے، نہ کہ احکامِ شریعت کو تختۂ مشق بنا کر اغیار کی نظر میں اپنا قد اونچا کرنے کی نامبارک سعی کی جائے۔

حقوق العباد اور معاملات میں اپنے نفس اور منفی جذبات پر قابو پانے کی قربانی، غیبت اور غصے پر قابو پانے کی قربانی، نظر کی حفاظت کی قربانی، روزے کی حالت میں ان قربانیوں کے ساتھ ساتھ اپنی پیاس اور بھوک پر صبر کرنے کی قربانی، حج اور زکوۃ کی صورت میں مالی قربانی، دفاعی اقدامات اور جہاد فی سبیل اللہ کے وقت اپنی جان نچھاور کرنے کی قربانی۔ اسی طرح انسانی جانوں کے علاوہ بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ جانوروں کی قربانی کا حکم بھی دیتے ہیں۔ چناں چہ ہم بڑے شوق سے اچھے سے اچھا اور پسندیدہ جانور اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں اور عید الاضحیٰ کے اس مبارک موقع پر یہی سب سے بڑی قربانی ہوتی ہے۔ اور اس عمل سے اچھا کوئی عمل نہیں ہوتا۔

جہاں ایک طرف ہمیں جانوروں کی قربانی کا حکم دیا گیا ہے وہاں ان کی اور خاص طور پر بے زبان پرندوں کی جان اور آزادی کی حفاظت کی ذمے داری بھی دی گئی ہے اور اس کہانی سے حاصل ہونے والا ایک سبق یہ بھی ہے۔ آزادی جیسی نعمت کے مقابلے میں اچھی خوراک، اچھی رہائش بلکہ وی آئی پی سہولیات تک کی کوئی حیثیت نہیں۔ طوطے کو ان گھر والوں نے بہت اچھی خوراک ہی نہیں کھلائی بلکہ اُسے اپنی بولی کے بول بھی سکھائے۔ اس سے باتیں کیں، اس سے دوستی بھی کی لیکن ان تمام سہولیات اور "عیاشیوں" کے باوجود طوطا موقع پاتے ہی اس "پُر کشش قید" سے آزاد ہو گیا۔

انسان اپنی تسکین اور اپنے بچوں کو خوش کرنے اور رکھنے کے لیے ان پرندوں کو قید کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے ہمیں پرندوں کو پالنے، فروخت کرنے سے منع نہیں کیا لیکن سوچنے کی بات ہے کہ ہم جب کسی طوطے، کسی کبوتر، کسی فاختہ، کسی مینا یا کسی چڑیا کو پکڑ کر پنجرے میں قید کر کے رکھتے ہیں تو دراصل ایک آزاد پنچھی کو اس کے قدرتی ماحول اور فطری زندگی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے پرندوں کو پَر اسی لیے دیے ہیں کہ وہ آزاد فضاؤں میں اُڑتے پھریں۔ اللہ تعالیٰ جہاں ہمارے رازق ہیں، وہاں اُن کے رزق کا بھی ہم سے بہتر انتظام کرتے ہیں۔ ہم ایک قیدی پرندے کو خوراک کھلا کر اور پانی پلا کر سمجھتے ہیں کہ ہم اُن کا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔ اگر ہمیں واقعی اُن کا اتنا خیال ہوتا تو پھر انہیں یوں قید ہی کیوں کرتے؟ اُن کا آزاد فضاؤں میں اُڑانیں بھرنے کا حق کیوں سلب کرتے؟ انہیں ایک خداداد صلاحیت سے کیوں محروم کرتے۔۔۔؟ اور ہاں ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہم کسی وجہ سے اُن کی خوراک اور پانی کا بندوبست نہ کر سکے یا بیمار ہونے پر ان کے کام نہ آ سکے تو بھوک پیاس یا بیماری سے ان کی جان جانے کی تمام تر ذمے داری بھی ہم پر ہی عائد ہو گی۔

ہم اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ سوچیں کہ کوئی ہماری آزادی سلب کر کے ہمیں ماں باپ اور گھر والوں سے دور ایک چھوٹے سے پنجرے میں نہیں بلکہ ایک بڑے کمرے میں ہی کیوں نہ قید کر دے اور ہمیں کھانے پینے کو بھی ملتا رہے تو ہم کتنے دن اس قید میں خوش رہ سکیں گے؟ کسی بڑے سے بڑے وبائی مرض سے اپنی جان بچانے کے لیے بھی ہم یہ گوارا نہیں کرتے کہ ہمیں قرنطینہ کا پابند کیا جائے، حالاں کہ اس میں ہمیں سوائے باہر نکلنے کے ہر نعمت میسر ہوتی ہے اور رہا لاک ڈاؤن۔۔۔۔۔۔! اسے تو ہم اپنی آزادی میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ قفس کے لاک اپ میں پابند پرندے کے پَر نہ بھی کاٹے جائیں تب بھی وہ بے پَر پرندہ ہی رہ جاتا ہے۔ اشرف المخلوقات کی حیثیت سے ہم اگر اپنی "آزادی" پر کسی دباؤ اور مصلحت سے آزاد ہو کر غور کریں تو ہمیں بھی اپنی آزادی اس طوطے سے ملتی جلتی ہی نظر آئے گی۔

ہم بظاہر "آزاد" ہیں لیکن ذہنی طور پر کئی طرح کے غلام ہیں۔ طوطا تو پھر بھی ایک ہی پنجرے میں قید تھا لیکن ہم چھوٹے، بڑے کئی پنجروں کے قیدی ہیں۔ انگریزی سرکاری زبان کا پنجرہ، سودی معیشت کا پنجرہ، ایک سے زیادہ نظام ہائے تعلیم کا پنجرہ، عائلی قوانین کا پنجرہ، غیر شرعی مغربی سزاؤں کا پنجرہ، آئی ایم ایف کا پنجرہ، اقوام متحدہ کا پنجرہ، عالمی برادری کا پنجرہ اور اگر کچھ معاملات میں ہم کسی حد تک آزاد ہیں بھی تو نظریاتی حملوں کے وائرس ہمارے ذہنوں اور ہماری سوچوں میں داخل کرنے کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے۔ ہم میں ایک اور بے پَر پرندے میں کتنی مماثلت ہے اور کتنا فرق؟ یہ ہم سب کے لیے سوچنے کی بات ہے۔

ZJ
NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
RARE
BLOSSOMS
Call now for more info
021 35835455, 35835488
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Khi.

سونف

تعارف

سونف کو عربی میں رازیانج، فارسی میں بادیان، اردو میں سونف اور انگریزی میں FennelSeeds کہتے ہیں۔اس کا نباتاتی نام Foeniculumvulgare ہے۔ سونف ایک ایسی چیز ہے جو تقریباً ہر گھر کے باورچی خانے میں موجود رہتی ہے۔

سونف کی لذّت

پہلے زمانے میں لوگوں کے گھروں میں پاندان ہوا کرتے تھے، جس کے مختلف خانوں میں ملٹھی، سونف، لونگ، الائچی اور پودینہ وغیرہ فوری طبّی امداد کے لیے رکھے جاتے تھے۔یوں تو یہ سبھی چیزیں کام آتی ہی رہتی ہیں، لیکن سونف کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ سونف کو کئی طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر گرمیوں میں اسے ٹھنڈائی یا سردائی میں ڈالا جاتا ہے۔ اچار میں تو سونف کے بغیر مزہ ہی نہیں آتا۔ سبزی اور مرغی کے سالن میں مسالے ڈالے جاتے ہیں، جس کی لذّت سونف شامل کرنے سے دوبالا ہو جاتی ہے۔

سونف کے حیران کن اثرات

بینائی کی تقویت کے لیے: آدھے گھنٹے کے لیے گرم پانی میں سات میٹھے بادام بھگو دیں۔ ان کا چھلکا اتار کر 6 گرام سونف اور 6 گرام مصری ملا لیں اور ان تینوں کو باریک پیس لیں۔ آپ رات کا کھانا جلدی کھا لیں اور پھر نیم گرم دودھ کے ساتھ سونف کا سفوف کھائیں۔ چالیس دن تک باقاعدگی سے یہ نسخہ استعمال کیا جائے تو حیران کن اثرات سامنے آتے ہیں اور عینک کا نمبر کم ہو جاتا ہے۔

آسان اور مفید ٹوٹکا: تازہ ہری سونف پیس کر رکھ لیں اور سردیوں کے موسم میں گاجر کے ایک گلاس جوس کے ساتھ ایک چمچ سونف روزانہ کھائیں، اس سے نظر کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ یہ سب سے آسان اور مفید ٹوٹکا ہے۔

جن بچوں کی نظر کمزور ہو، ان کے والدین کو چاہیے کہ سونف صاف کر کے گھر میں رکھ لیں اور بچوں کو ہدایت کریں کہ سونف منہ میں ڈال کر چوستے رہیں۔ سونف کھانے سے بچوں کی نظر ٹِک جائے گی۔

میز پر رکھا مرتبان

جن گھروں میں آج بھی پان دان رکھے جاتے ہیں، اس کے مختلف خانوں میں ملٹھی، سونف، لونگ، الائچی اور پودینہ وغیرہ فوری طبّی امداد کے لیے رکھے جاتے تھے۔ یوں تو یہ سبھی چیزیں کام آتی ہی رہتی ہیں، لیکن سونف کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ سونف کو کئی طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر گرمیوں میں اسے ٹھنڈائی یا سردائی میں ڈالا جاتا ہے۔ اچار میں تو سونف کے بغیر مزہ ہی نہیں آتا ہے۔ سبزی اور مرغی کے سالن میں مسالے ڈالے جاتے ہیں، جس کی لذّت سونف شامل کرنے سے دوبالا ہو جاتی ہے۔

معدے میں گرانی ہو اور بھوک نہ لگتی ہو

نسخہ: ایک چمچ سونف پودینہ کے دس بارہ پتے تین عدد چھوٹی الائچی ایک گلاس پانی میں اُبال کر ٹھنڈا کر کے پینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

بچوں کے ہاضمے کے لیے: دودھ میں آدھا چمچ سونف ملا کر جوش دے کر پلائیں تو ان کا ہاضمہ ٹھیک رہے گا۔

سونف کا عرق: جو عرقِ بادیان کے نام سے یونانی اسٹوروں میں بآسانی دستیاب ہوتا ہے۔ بچوں کو یہ عرق دیا جائے تو ان کی بدہضمی رفع ہو جاتی ہے اور پیٹ کا درد ٹھیک ہو جاتا ہے، اگر اس عرق کو بڑے پییں تو اس کے پینے سے پیشاب کھل کر آتا ہے اور پیشاب میں رُکی ہوئی گیس خارج ہو جاتی ہے۔

سونف کی مختلف اقسام کی افادیت مندرجہ ذیل ہیں

پیچش اُلٹیاں اور ہیضہ: بھنی ہوئی سونف اور مصری ہم وزن پیس کر دو دو چمچ کی مقدار میں ہر دو دو گھنٹے بعد دن میں چند مرتبہ تازہ پانی کے ساتھ لینے سے یا 10-10 بوند سونف کا تیل نصف چمچ چینی پر ڈال کر ہر روز دن میں چار بار لینے سے پیچش میں بہت افاقہ ہوتا ہے اور دست آنے، اُلٹیاں ہونے یا ہیضے میں پیاس زیادہ لگنے پر تھوڑی تھوڑی دیر میں مریض کو 2-2 چمچ سونف کا عرق دیتے رہنے سے پیاس نہیں لگتی۔

نیند بہت آتی ہو: 10 گرام سونف کو نصف لیٹر پانی میں اُبال کر پانی چوتھائی رہ جانے پر اس میں تھوڑا سا نمک ملا کر پانچ دن تک صبح وشام پینے سے نیند کم آئے گی۔

اگر نیند نہ آتی ہو: 10 گرام سونف چھان کر نصف لیٹر پانی میں اُبال لیجیے، چوتھائی پانی رہ جانے پر پانی کو چھان کر گائے کے 250 ملی لیٹر دودھ میں آدھی چمچ خشخاش شامل کر کے اور 15 گرام اصلی گھی میں گھول کر ذائقے کے مطابق چینی ملا کر پینے سے نیند آنے لگتی ہے۔

خواتین کے لیے مفید: بچوں کو دودھ پلانے والی خواتین کو چاہیے کہ 250 گرام سونف اور 250 گرام چینی پیس کر رکھ لیں اور صبح وشام اس کا ایک بڑا چمچ دودھ کے ساتھ لیں، اس سے دودھ بھی زیادہ ہوگا، بچے کا پیٹ بھی ٹھیک رہے گا اور درد وا پھارہ بھی نہیں ہوگا، اگر دودھ کی مقدار بہت کم ہو تو اس نسخے میں 125 گرام گاجر کے بیج ملا کر دودھ کے ساتھ لے سکتی ہیں اور جن بچیوں کے ماہانہ نظام میں گڑبڑ ہو یا اس کے جاری نہ ہونے پر فکر مند ہوں تو سونف سے استفادہ کر سکتی ہیں۔

سونف کا قہوہ: نزلہ وزکام میں سونف کا قہوہ بہت مفید ہے۔ دس گرام سونف دو پیالی پانی میں خوب پکائیں، جب ایک پیالی رہ جائے تو اتار کر اور چھان کر اس میں ایک چمچ شہد ملا کر پی لیں، اسے صبح وشام پینے سے فائدہ ہوگا۔

دماغی کمزوری اور سر میں خشکی کا علاج

نسخہ: 50 گرام سونف اور 25 گرام مصری کو پیس کر صبح وشام چائے کا ایک چمچ سفوف دودھ سے لیں۔ گائے کا دودھ میسر آجائے تو چند ہی روز میں فائدہ ہو جائے گا۔ دماغی کمزوری کے لیے سونف اور مصری کے ساتھ پسا ہوا ناریل اور دھنیے کی گری بھی شامل کر لیں تو بہتر ہے۔

ہکلانے والے بچوں کے لیے نسخہ

ایک چمچ سونف کو آدھا لیٹر پانی میں خوب پکایئے، جب ایک پیالی پانی رہ جائے تو اتار لیں اور چھان کر اس میں مصری یا چینی ملائیں، پھر اسے ایک پیالی دودھ میں حل کر لیں اور صبح وشام بچوں کو پلائیں، اس سے ان کی ہکلاہٹ دور ہو جائے گی۔ سونف میں ملٹھی ملا کر رکھیے، تاکہ بچے اسے شوق سے کھاتے رہیں۔

سونف کا کرشمہ

دانت کا نکلنا آسان: بچہ دانت نکلنے والے دنوں میں بہت روتا ہو تو گائے کے دودھ میں موٹی سونف اُبال کر، چھان کر اسے بوتل میں بھر لیجیے اور ایک ایک چمچ دن میں چار بار بچے کو پلایئے، اس سے دانت آسانی سے نکل آئیں گے۔

پیٹ کا پھولنا: بچوں کے پیٹ پھولنے میں رات کو ایک چمچ سونف آدھا کپ پانی میں بھگو دیجیے، سونف کو مسل کر چھان لیجیے، اس پانی کو دودھ میں ملا کر پلانے سے بچے کا پیٹ نہیں پھولتا۔

امراضِ قلب: سونف کا عرق تھوڑا تھوڑا پینے سے دل کے مرض میں افاقہ ہوتا ہے۔ جلدی امراض کے لیے بھی سونف کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

بانجھ پن ہوا ختم

چھ گرام سونف کے سفوف کو گائے کے دودھ سے تیار کیے ہوئے گھی کے ساتھ تین ماہ تک صبح وشام لینے سے بانجھ پن دور ہو جاتا ہے اور استقرار حمل ہو جاتا ہے۔ یہ فربہ خواتین کے لیے بھی خاص طور پر مفید ہے۔

دمے کا مرض: مرض دمہ میں ایک تولہ سونف آدھا لیٹر پانی میں جوش دیں، جب آدھا پانی رہ جائے تو شہد ایک چمچ شامل کر کے وقفے وقفے سے پلائیں۔ ہر قسم کی کھانسی اور دمہ کشی میں مفید ہے۔

سونف لایا نیا پیغام

منہ کی بدبو: سونف چبانے سے منہ کی بدبو ختم ہو جاتی ہے۔

بخار کا توڑ: ایک تولہ سونف میں آٹھ عدد لونگ شامل کر کے دو لیٹر پانی میں جوش دیں، جب پاؤ بھر پانی رہ جائے تو چھان کر ڈھائی تولہ شکر ملا کر پلائیں اور چادر اُڑھا دیں۔ ان شاء اللہ پسینہ آکر بخار اُتر جائے گا۔

قبض کا توڑ: ● سونف میں قدرے سیندھا نمک ملا کر پیس کر اس چورن میں سے ایک چائے کا چمچ گرم پانی کے ساتھ لینے سے پیٹ کا درد دور ہو جاتا ہے اور پیٹ صاف ہو جاتا ہے۔

● رات کو سوتے وقت 6-3 گرام سونف کا سفوف گرم پانی کے ساتھ لینے سے قبض دور ہو جاتی ہے۔

● اسی طرح چار چمچ سونف ایک گلاس پانی میں اُبال لیجیے، جب پانی نصف رہ جائے تو چھان کر پی لیں، اس سے بھی قبض دور ہو جائے گی۔

● 6-3 گرام سونف کی جڑ کا سفوف کھانے سے بھی قبض دور ہو جاتی ہے۔

منہ کے چھالے: کھانا کھانے کے بعد 4-3 گرام سونف منہ میں رکھ کر چبانے سے چھالے نہیں ہوتے۔

دست کا بند ہونا: دستوں میں تین گرام کچی اور تین گرام بھنی ہوئی سونف مصری کے ساتھ ملا کر لینے سے دست بند ہو جاتے ہیں۔

Brady's
The nourishing taste of Scott Baking
Plain Cake
OUR PROMISE
Brady's
DELICIOUS FOOD EXPERIENCE EVERY TIME
Brady's
Plain Cake
Delicious & Delightful
Nutrition Facts
The Nourishing Taste of Scott Baking
Delicious & Delightful

حضرت سارہ

نیک عورت کی دعا کی برکت

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ظالم و جابر بادشاہ کے ملک میں پہنچے اور ان کے ساتھ اہلیہ سارہ بھی تھیں اور خوبصورت خاتون تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر اس ظالم بادشاہ کو اس بات کا علم ہو گیا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ تمہیں مجھ سے چھین لے گا اور اگر وہ بادشاہ تم سے پوچھے تو اسے بتانا کہ یہ میرا بھائی ہے کیوں کہ تم میری اسلامی بہن ہو اور اس وقت پوری دنیا میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مسلمان بھی نہیں، پھر جب یہ دونوں اس ظالم بادشاہ کے ملک میں پہنچے تو اس بادشاہ کے ملازم سارہ کو دیکھنے کے لیے آ پہنچے۔ نوکروں نے بادشاہ سے کہا تمہارے ملک میں ایسی عورت آئی ہے جو تمہارے علاوہ کسی کے لائق نہیں۔ اس ظالم بادشاہ نے سارہ کو بلوایا۔ سارہ کو بادشاہ کی طرف بلایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام نماز کے لیے کھڑے ہو گئے تو جب سارہ اس ظالم بادشاہ کے پاس آگئیں تو اس ظالم نے بے اختیار اپنا ہاتھ سارہ کی طرف بڑھایا تو اس ظالم کا ہاتھ جکڑ دیا گیا۔ وہ ظالم کہنے لگا کہ تو اللہ سے دعا کر کہ میرا ہاتھ کھل جائے میں تجھے کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ سارہ نے دعا کی پھر دوبارہ اس ظالم نے ہاتھ بڑھایا تو پہلے سے زیادہ اس کا ہاتھ جکڑ دیا گیا۔ اس نے پھر دعا کے لیے سارہ سے کہا۔ سارہ نے پھر اس کے لیے دعا کی اس ظالم نے تیسری مرتبہ پھر اپنا ہاتھ بڑھایا پھر پہلی دونوں مرتبہ سے زیادہ جھٹکا لگا وہ ظالم کہنے لگا کہ تو اللہ سے دعا کر کہ میرا ہاتھ کھل جائے۔ اللہ کی قسم! میں تجھے کبھی تکلیف نہیں دوں گا۔ سارہ نے دعا کی تو اس کا ہاتھ کھل گیا اور اس ظالم نے پھر اس آدمی کو بلایا جو سارہ کو لے آیا تھا۔ وہ ظالم بادشاہ اس سے کہنے لگا کہ تو میرے پاس (العیاذ باللہ) شیطانی کو لایا ہے، انسان نہیں لایا۔ اس ظالم نے سارہ کو جانے دیا اور حضرت ہاجرہ کو بھی ان کو دے دیا۔ سارہ حضرت ہاجرہ کو لے کر چل پڑیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کو دیکھا تو پلٹے اور ان سے فرمایا کہ کیا ہوا؟ سارہ کہنے لگیں خیر ہے اور اللہ نے اس بد کردار ظالم کا ہاتھ مجھ سے روک دیا اور اس نے مجھے ایک خادمہ بھی دی۔

زوجۂ حضرت اسماعیل

شکر کی برکت اور ناشکری کا وبال!

خانہ کعبہ بنانے سے پہلے دو دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بھی مکہ آئے۔ مگر اسماعیل علیہ السلام دونوں دفعہ گھر میں نہیں ملے اور زیادہ ٹھہرنے کا حکم نہ تھا۔ سو پہلی بار جب تشریف لائے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں ان کی بیوی تھیں۔ اس سے پوچھا کہ کس طرح گزارہ چل رہا ہے؟ کہنے لگیں کہ بڑی مصیبت میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے خاوند آئیں تو انہیں میرا سلام دینا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ چناں چہ حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو سب حال معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ میرے والد تھے اور وہ چوکھٹ تم ہو وہ کہہ گئے ہیں کہ تمہیں چھوڑ دوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے انہیں طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ آئے تو یہ گھر میں تھیں انہوں نے بڑی خاطر کی۔ آپ نے ان سے بھی گزرانِ حال پوچھا۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، بہت آرام میں ہیں۔ آپ نے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ جب تمہارے شوہر آئیں تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ چناں چہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آنے کے بعد یہ حال بھی معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے باپ تھے۔ کہہ گئے ہیں کہ تمہیں اپنے پاس رکھوں۔

اتباع ہو تو ایسی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے جہاد میں جاتے ہوئے اپنی بیوی کو نصیحت کی کہ گھر کی بالائی منزل سے نیچے نہیں اترنا۔ اس عورت کے والد گھر کی نچلی منزل پر رہتے تھے۔ پس ان کے والد اچانک بیمار ہوئے تو اس عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام احوال بیان کر کے اپنے والد کی تیمارداری کے لیے اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور فرمایا کہ اے عورت! اللہ سے ڈر اور اپنے خاوند کے حکم کی اتباع کر۔ اس کے چند یوم بعد والد کا انتقال ہوا۔ پھر اس عورت نے اپنے والد کی تعزیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ مشورہ کیا اور اجازت چاہی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی منع کر دیا اور خود تشریف لائے اور تدفین کے بعد اس عورت کے پاس خوش خبری بھیجی کہ آپ کے شوہر کی اطاعت کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے والد کی مغفرت کر دی۔

انتخاب: اہلیہ دانش کمال

ناقدری کا انجام

ارم شمیم

انعم کی شادی کو اٹھارہ سال ہو گئے تھے لیکن اب تک اولاد کی نعمت سے محروم تھی۔آئے دن سسرال والوں کے طعنے سننا پڑتے تھے۔شوہر جب بھی اولاد کی خواہش کا ذکر کرتا،انعم تسلی دیتی کہ ہمارے مقدر میں اگر اللہ نے اولاد لکھی ہے تو وہ ایک نہ ایک دن ہمیں اس نعمت سے نوازے گا اور وہ ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے گا اور ہمارا نام روشن کرے گا۔شوہر کہتا کہ اگر تمہارے بطن سے اللہ کو اولاد دینا منظور نہیں،تب بھی میں اللہ کی رضا پر خوش ہوں۔

انعم کی ماں اور بہنیں اسے ہر وقت بے اولاد ہونے کا طعنہ دیتی رہتیں،ساس کہتی،ہائے کاش میں زندگی میں پوتا یا پوتی ہی دیکھ لوں کبھی کہتی، میرے بیٹے کی عمر ضائع ہو رہی ہے،ایک دن انعم نے جواب دیا کہ پتا نہیں،میں بانجھ ہوں یا آپ کا بیٹا۔یہ سنتے ہی ساس آگ بگولا ہو گئی،کہنے لگی تو کتنی منحوس ہے میرے خوب صورت بیٹے کو بانجھ کہتی ہے روز کے طعنوں سے تنگ آکر انعم نے میڈیکل ٹیسٹ کروانے فیصلہ کیا،آگے کی کہانی ہم انعم کی زبانی سنتے ہیں:

"آج رپورٹ ملنا تھی۔ہم دونوں میاں بیوی بے چینی سے رپوٹ کا انتظار کر رہے تھے۔آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور لیڈی ڈاکٹر کے کمرے سے نرس نکلی اور مجھے بلوایا۔میں بوجھل قدموں کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے کمرے میں چلی گئی۔وہ مجھے دیکھ کر بات کرنے سے ہچکچانے لگی میں فوراً بول پڑی،ڈاکٹر صاحبہ !جو بھی حقیقت ہے بتادیں،نتیجہ کچھ بھی ہو اللہ کی مرضی سمجھ کر قبول کرلوں گی اور اسی پر صابر وشاکر رہوں گی۔"اس پر وہ مسکرائی اور کہنے لگی:"ایک مسلمان خاتون کا یہی شیوہ ہونا چاہیے۔"پھر کہنے لگی:"آپ کا ٹیسٹ بالکل صحیح ہے،لگتا ہے،نقص آپ میں نہیں بلکہ آپ کے شوہر میں ہے۔"میں فوراً بول پڑی کہ میرے شوہر یہ بات سُن کر برداشت نہیں کر سکیں گے،اس لیے انہیں یہ نہ بتانا کہ ان میں نقص ہے بلکہ یہ کہہ دینا کہ آپ کی بیوی میں نقص ہے اس کے یہاں اولاد نہیں ہو سکتی۔کیوں کہ میں اپنے شوہر کے جذبات اور احساسات کو ٹھیس نہیں پہنچنے دینا چاہتی۔میں لیڈی ڈاکٹر کے کمرے سے پریشان اور غمزدہ نکل آئی مگر باہر نکلتے ہی اپنے شوہر کو دیکھتے ہی میرا غم اور دکھ خوشی میں بدل گیا کیوں کہ آج میں نے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے شوہر کے لیے،بہت بڑی قربانی دی تھی۔اس قربانی کے احساس نے میرے وجود میں خوشیاں بھر دی تھیں۔میں نے پوری زندگی کے لیے یہ قربانی دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔جب میرے شوہر کو میرے بارے میں پتا چلا تو اس کو سخت صدمہ اور پریشانی ہوئی اور کہنے لگا کہ مجھے اس کی پروا نہیں،میں آج بھی تم سے اسی طرح محبت کرتا ہوں،جیسے پہلے کرتا تھا۔مگر جب اس بات کا میرے شوہر کی بہنوں ،اس کی ماں اور دوسرے لوگوں کو پتا چلا تو انہوں نے آسمان سر پر اُٹھالیا۔ہر ایک میرے شوہر کو دوسری شادی کا مشورہ دینے لگا۔مگر میرا شوہر بار بار انکار کرتا رہا۔اس دوران دو سال کا عرصہ گزر گیا۔

ایک دن میرا شوہر کہنے لگا،مجھے پتا چلا ہے کہ میری ماں نے اپنی بھانجی سے میرا رشتہ طے کر دیا ہے،اس کی عمر بیس سال ہے۔میں نے شوہر سے کہا میں آپ کی خوشی کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔اس منگنی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا شوہر مجھ سے کچھ کھچا سا رہنے لگا ہے اور اب زیادہ وقت اپنی بہنوں کے پاس گزارنے لگا ہے۔جو اسے روزانہ اس کی نئی منگیتر کی باتیں ہنس ہنس کر سناتیں اور وہ بھی خوش ہو کر سنتا رہتا۔

اس کی ماں نے تو مجھ سے بات کرنا بھی بند کر دی۔میں تو سوچ میں پڑ گئی کہ میری تو یہاں زندگی اجیرن ہو جائے گی،میں ان کے ساتھ کیسے رہ پاؤں گی۔ایک شوہر ہی کا سہارا تھا کہ آج اس کی بھی نگاہیں بدل چکی ہیں۔اس دوران میں نے اپنی نند سے کہہ دیا کہ اگر میں آپ لوگوں کی اچھی نہیں لگتی تو مجھے طلاق ہی دے دو۔یہ سن کر اس کی آنکھوں میں تو چمک سی آگئی اور اس نے لمحے بھر میں ہر ایک کو بتادیا کہ بھابی کہہ رہی ہیں کہ میں اپنے شوہر کی دوسری شادی کے بعد اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی،مجھے طلاق دے دو اور پھر اس بات کے ساتھ خوب مرچ مسالا لگا کر بات بڑھا کر پھیلادی۔گھر کا ماحول پہلے ہی میرے مخالف ہو چکا تھا،اس لیے میرے شوہر نے بھی مجھ سے نہ پوچھا کہ کیا تم نے یہ بات واقعی کہی ہے یا نہیں۔اگلے دن میرا شوہر میرے پاس آیا اور اسپاٹ لہجے میں کہنے لگا کہ اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا منظور نہیں تو یہ طلاق نامہ لے لو اور پھر اس نے مجھے طلاق دے دی ۔میں نے اس سے صرف اتنا کہا کہ اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں مگر تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا ہے وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

یہ سن کر میرا شوہر کچھ سوچ میں پڑ گیا مگر نئی شادی کا نشہ اس کے ذہن پر چڑھا ہوا تھا،اس کے انگ انگ سے نئی شادی کی خوشی چھلکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور مجھے مسکرا کر سلام کر کے جاتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے بھی تم یاد رہو گی۔ہم نے بہت اچھے دن اکٹھے گزارے ہیں اور پھر اس کے بعد میں اپنے ماں باپ کے پاس واپس آگئی۔

اس دوران میرے شوہر کی اپنی کزن سے منگنی ٹوٹ گئی کیوں کہ میرے شوہر کی بہنوں کو اس میں بھی عیب نظر آنے لگ گئے تھے۔خیر سے وہ زبان دراز بھی خوب تھی۔منہ پر جواب دیتی تھی۔اس کے بعد کسی اور رشتے کی تلاش میں تھے۔اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تین ماہ بعد ہی میری شادی ہو گئی۔وہ ایک نیک آدمی تھا،اس کی پہلی بیوی فوت ہو چکی تھی اس سے اولاد بھی نہیں تھی۔الحمدللہ مجھے یہ نئی زندگی زیادہ خوش گوار محسوس ہونے لگی اور پھر کچھ عرصے بعد مجھے اپنے شوہر کے ساتھ دوسرے شہر جانا پڑ گیا۔اس دوران اللہ تعالیٰ نے مجھے چاند جیسے بیٹے سے نواز دیا۔میری تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا میں تو اللہ کی رضا کے لیے خود کو اس خوشی سے محروم سمجھ رہی تھی۔میرے سابقہ شوہر کے بارے میں مجھے پتا چلتا رہا کہ اس کی شادی کی تیاری دھوم دھام سے جاری ہے۔تاہم میں نے اپنے بارے میں سب کچھ چھپائے رکھا۔جب اس کی شادی ہو گئی تو میرے شوہر نے کہا کہ تمہارے سابقہ شوہر کو مبارک باد دینے چلتے ہیں۔میں بھی تیار ہو گئی جب وہاں پہنچے تو ہمارا استقبال اس نے خود کیا اور ہمارے بیٹے کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا جب میں گھر میں داخل ہوئی تو میری سابقہ ساس بقیہ ص 22 پر

ہجرت

نفیسہ سعید

"تم کیا جانو ہجرت کا دکھ کیا ہوتا ہے؟ ہجرت کسے کہتے ہیں؟ سب امیدیں جب دم توڑ دیتی ہیں اور زندگی آخری ہچکی لیتی ہے، تب تھکے ہارے وجود ہجرت کرتے ہیں"۔ بی بی جان نے میرے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا ان کے مسکراتے چہرے پر اس لمحے جو دکھ تھا، وہ میں سمجھ سکتی تھی۔

"اپنا گھر بار چھوڑ دینا، اپنے پیاروں کو وطن کی راہ میں قربان کر دینا، ننگے پاؤں کانٹوں کا سفر اور ایک ان جان منزل کی طرف گامزن تھکن سے چور بدن، لیکن یہ سب تم نہیں سمجھ سکتیں کہ اپنا سب کچھ لٹانے کی اذیت کیا ہوتی ہے۔ تمہیں تو یہ وطن ورثے میں ملا۔ بنا کچھ گنوائے یہ گھر تمھارا ہے، اس لیے شاید تم لوگ اس کی قدر نہیں جانتے" یہ کہہ کر انہوں نے تخت پر رکھا باجرے کا تھیلا اٹھایا اور صحن کی جانب بڑھ گئیں، میں خاموشی سے انہیں جاتا دیکھ رہی تھی، بی بی جان نے باہر جا کر صحن میں موجود بڑے سے پنجرے کا دروازہ کھول دیا اور ایک دم ہی صحن، بہت ساری مرغیوں سے بھر گیا، جو باہر نکلتے ہی یہاں وہاں بکھر گئیں، میں بھی ان کے پیچھے صحن میں آ گئی تھی جب بی بی جان نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔

جانتی ہو آزادی کیا ہوتی ہے، اگر نہیں تو ان پرندوں سے پوچھو جو اس پنجرے میں قید بظاہر عیش و آرام والی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کے کھانے پینے کی ذمے داری ہم نے اٹھا رکھی ہے، لیکن پھر بھی یہ چاہتے ہیں کہ انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ یہ کھلی فضاؤں میں آزاد زندگی گزارنا چاہتے ہیں، جس کے لیے یہ روکھی سوکھی کھا کر بھی خوش رہ سکتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے بی بی جان نے ہاتھ میں پکڑا باجرہ صحن میں پھیلا دیا اور کٹ کٹ کرتی مرغیاں باجرہ چگنے لگیں، میں یہ منظر دیکھتی بی بی جان کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ میں جانتی تھی کہ اس وقت انہیں میری ضرورت ہے کیوں کہ ہجر کے دکھ میں ان کا دل رو رہا تھا، یقیناً وہ اس وقت پھوپھی فاطمہ کے ہجر میں مبتلا ماضی میں پہنچ گئی تھیں، پھوپھی فاطمہ جو تقسیم ہندوستان کے وقت بلوائیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئی تھیں اور اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی بی بی جان جوان بیٹی کا دکھ بھول نہ پائی تھیں، اور 14 اگست سے پہلے ان کی حالت عجیب ہو جاتی۔ وہ سارا سال ہی دل کھول کر خیرات دیا کرتیں لیکن ان دنوں ان کے صدقے، خیرات میں بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا اور روز اچھا کھانا پکا کر مسجد کے امام صاحب کو بھی بھیجا کرتیں۔

پھپھو فاطمہ ان کی اکلوتی اولاد نہ تھیں، ان سے چھوٹی بھی دو بیٹیاں تھیں اور دو بیٹے بھی تھے۔ سب سے بڑے میرے والد اور سب سے چھوٹے چچا حامد، لیکن پھپھو فاطمہ سے ان کی محبت سب سے جدا تھی اور آج بھی تازہ تھی۔

میں نے بی بی جان کو کندھے سے تھام کر قریبی تخت پر بٹھا دیا اور جلدی سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے جا کر ان کے قریب رکھ دیا، جسے بی بی جان نے ہاتھ سے پرے کر دیا۔ وہ اس وقت حال میں نہ تھیں بلکہ کئی سال پیچھے اس دور میں پہنچ گئی تھیں جب برصغیر پاک و ہند ایک تھا، جہاں ہندو اور مسلمان، انگریز کی غلامی میں زندگی گزار رہے تھے اور شاید الگ وطن ایک ایسا خواب تھا جس کی تعبیر ہر مسلمان دیکھنا چاہتا تھا اور اس کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کی ہمت رکھتا تھا، میں نے دیکھا بی بی جان منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی ہیں، میں ان کے مزید قریب ہوئی تو سنا وہ کئی سال پرانی کہانی ایک بار پھر دہرا رہی تھیں میں ان کے قریب جا بیٹھی، بی بی جان کی آنکھوں سے یادوں کی جھڑی، آنسوؤں کی صورت بہہ رہی تھی

"تم جانتی ہو نا تمھارے میاں جی بگے والا کی مسجد کے پیش امام تھے"

ان کی بگے والا میں بہت عزت تھی، نہ صرف ہمارے گاؤں کے مسلمان بلکہ سکھ اور ہندو بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے، ان کا دم دور دور آس پاس کے سارے علاقوں میں مشہور تھا، خاص طور پر جب کسی کی گائے، بھینس دودھ نہ دیتی یا بیمار ہو جاتی تو لوگ تمھارے میاں جی کے پاس پانی دم کروانے آتے اور وہ بھی بنا مذہبی تفریق کے سب کو پانی دم کر کے دیا کرتے، اور اگر ضرورت پڑتی تو جانور دیکھنے ان کے گھر بھی جایا کرتے اور اللہ تعالی نے ان کے دم میں ایسی تاثیر رکھی تھی کہ ایک دفعہ کا دم کیا ہوا پانی کافی ہوتا اور وہ پانی پیتے ہی جانور پہلے سے بھی دگنا دودھ دیتا" اتنا کہہ کر بی بی جان نے مسکرا کر میری جانب دیکھا "رب سائیں نے بڑی عزت بنائی تھی کہ میاں ابراہیم کا دم ہندو کی گاؤ ماتا کو صحت مند کر دیتا اور وہ دودھ کے ڈبے بھر کر ہمارے دروازے پر رکھ جاتے جو تمھارے میاں جی سارے گاؤں میں تقسیم کر دیتے، بڑا سکھ تھا، اسی دوران میں مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ کر دیا اور آزادی کی تحریک شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ اس تحریک نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر ہم مطمئن تھے، جس کی بڑی وجہ سکھ ویر سنگھ تھا، ہم تیس سال سے ایک دوسرے کے پڑوسی تھے اور اس تعلق ہی کے سبب ہمیں بھروسا تھا کہ ہندو یا سکھ کبھی بھی ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا"

یہاں تک پہنچ کر بی بی جان کسی گہری سوچ میں ڈوب گئیں میں نے ان کی خاموشی کو ٹوکنا مناسب نہ سمجھا اور ان کا ہاتھ تھامے منتظر تھی کب وہ اپنی ادھوری داستان کا سلسلہ پھر سے جوڑیں گی کیوں کہ انہیں ٹوک کر میں ان کے ماضی کو منتشر نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ ماضی جس کی گہرائی میں اتری بی بی جان اس وقت حال سے بے خبر دکھائی دے رہی تھیں، ایک دکھ کی کیفیت ان کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ پھر کہنے لگیں:

"سارا ہندوستان ان نعروں سے گونج رہا تھا، جس نے ہندوؤں کو پاگل کر دیا تھا اور وہ بھوکے کتوں کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور تھے، مسلمانوں کا قتل عام کیا جا رہا تھا۔ آزادی کی قیمت میں ہماری جانوں کا نذرانہ لیا جا رہا تھا، لاشیں گرائی جا رہی تھیں، لیکن تحریک آزادی نے رفتہ رفتہ سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ

میں لے لیاان دنوں فاطمہ اور حامد کی شادی سر پر تھی۔ ایک رات سکھ ویر سنگھ تمھارے دادا سے ملنے گھر آیا، کچھ پریشان لگ رہا تھااور پھر اس کی ہدایت کے مطابق ابراہیم صاحب نے گھر کی ساری عورتوں کا زیور اور قیمتی سامان جمع کر کے ایک چھوٹی دیگ میں ڈال دیا، جس میں کئی تولہ چاندی کا زیور بھی تھا جو میرا، تمھاری ماں اور میری دیورانی کے علاوہ میری ایک شادی شدہ نند کا بھی تھااور اس میں ہی حامد کی بری اور فاطمہ کے جہیز کا زیور بھی رکھ دیا گیااور سکھ ویر سنگھ کی موجودگی میں تمھارے بابااور دادا کے ساتھ گھر کے دیگر مردوں نے مل کر وہ زیور کی دیگ، کنویں کے پاس زمین کھود کر دفن کر دی۔ اسی رات گھر کے سب لوگوں نے ابراہیم صاحب کو پھر سے قائل کرنے کی کوشش کی کہ اب ہمیں بھی یہ گاؤں چھوڑ کر ہجرت کرنی چاہیے کیوں کہ ہمارااصل وطن پاکستان ہے مگر افسوس تمھارے دادانہ مانے۔ ان کا کہنا تھاکہ سکھ ویر سنگھ کہتا ھے کہ علاقے کاہر ہندواور سکھ چاہتا ہے کہ ہم یہاں سے نہ جائیں اور اگر کبھی کسی نے ہم پر حملے کی کوشش کی تو سکھ ویر سنگھ اپنی جان پر کھیل جائے گا مگر ہم پر آنچ نہیں آنے دے گا، ان حالات میں بھی ابراہیم صاحب کا اعتماد قابل تحسین تھا، جس نے ہمیں بھی کسی حد تک مطمئن کر دیا مگر ہر گزرتا دن ہمارے اعتماد کو ختم کر رہا تھا، آس پاس کے علاقوں سے کوئی اچھی خبر نہ آرہی تھی، یہاں تک کہ جگے والا بھی مسلمانوں سے تقریباً خالی ہو چکا تھااور سارے لوگ گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے تھے سوائے چند گھروں کے جو ابراہیم صاحب پر یقین رکھتے تھے۔"

بی بی جان کچھ دیر رک کر پھر کہنے لگیں: "لیکن ایک رات وہ ہو گیا جو تمھارے دادا نے سوچا بھی نہ تھا اس دن اتوار تھا ابراہیم صاحب عشاء کے بعد گھر آگئے تھے میں کھانا گرم کر رہی تھی، اچانک گلی میں چیخ و پکار اور شور برپا ہو گیا، خطرے کی گھنٹی ہمارے چاروں طرف بج اٹھی "حملہ" باہر سے سنائی دیتی چیخ و پکار سے عبداللہ نے فوری نتیجہ اخذ کیا اور گیٹ کی جانب بھاگا جسے میں نے آگے بڑھ کر روک لیا کیوں کہ ہمیں سکھ ویر سنگھ پر بھروسا تھا کہ اس وقت وہ ہمارا ساتھ دے گا، اگلے چند لمحوں میں ہندو غنڈوں نے ہماری حویلی پر حملہ کر دیا جو ہمارے لیے غیر متوقع تھا یہ غنڈے تعداد میں بہت زیادہ تھے اور حویلی کی دیوار پھلانگ کر اندر آئے، ان سب نے اپنے چہرے کپڑے سے چھپا رکھے تھے، اب سکھ ویر سنگھ کا انتظار بے کار تھا، جو کرنا تھا، وہ ہمیں خود کرنا تھا، جس میں سب سے اہم گھر کی عورتوں کو بحفاظت یہاں سے نکالنا تھااور اس وقت جب گھر کے مردان غنڈوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا ایک ہٹا کٹا بلوائی ابراہیم صاحب کو گھیرے ہوئے تھا، ایسے میں بنا کچھ سوچے سمجھے میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا اس کے سر پر دے مارا جب کہ تمھارے دادا ہاتھا پائی کے دوران اس کے منہ سے کپڑا اتار چکے تھے اور ہم دونوں یہ دیکھ کر اپنی جگہ ساکت رہ گئے کہ ابراہیم صاحب پر حملہ کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ ہمارا پڑوسی سکھ ویر سنگھ تھا جس کی آنکھوں سے جھلکتی نفرت نے ایک پل میں ہی میرے رونگھٹے کھڑے کر دیے جب کہ ابراہیم تو اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھول گئے، عبداللہ نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا وہ چلا رہا تھا، کہ میں گھر کی عورتوں کے ساتھ پچھواڑے سے نکل جاؤں اور یہی وہ وقت تھا جب سکھ ویر سنگھ نے جانے کہاں سے فاطمہ کو ڈھونڈ لیا، وہ اسے بالوں سے کھینچ رہا تھا جب کہ فاطمہ تڑپ تڑپ کر اسے چاچا پکار رہی تھی، اس شیطان کو منتیں، واسطہ دے رہی تھی میں عائشہ اور تمھاری ماں حلیمہ کو ساتھ لیے باہر کی طرف بھاگی، جب گولی کی آواز میرے کان سے ٹکرائی، میں نے پلٹ کر دیکھا خون میں لت پت میری پیاری بیٹی زمین پر تڑپ رہی تھی اور میں کچھ نہ کر سکتی تھی، یہاں تک کہ اس کے حلق میں پانی کے دو گھونٹ ڈالنے والا بھی کوئی نہ تھا ہم بے بس تھے لیکن شکر تھا کہ وہ شہید ہو گئی اللہ نے اس کی عزت بچا لی مگر اس کا تڑپتا وجود آج بھی میری آنکھوں سے نہیں نکلتا اس کی سسکیاں آج بھی مجھے اپنے کانوں میں سنائی دیتی ہیں"

بی بی جان رونے لگیں جب میں نے انہیں خود سے لگا کر ان کے آنسو صاف کیے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پھوپھی فاطمہ میرے سامنے تڑپ رہی ہوں، بی بی جان کے ساتھ میں بھی رو رہی تھی، ایک ایسا غم جس کا اتنے سال بعد بھی کوئی مداوا نہ تھا، ہمیں خون کے آنسو رلا رہا تھا جب بی بی جان نے اپنا سر میرے کندھے سے اٹھایا اور آہستہ آواز میں بولیں۔

"وہ ظالم فاطمہ کو اغوا کرنا چاہتا تھا مگر واہ میرے مولا جس نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی اور عبداللہ پر چلائی جانے والے کسی بلوائی کی گولی فاطمہ کا سینہ چیر گئی اور اس وقت کسی نے چلا کر کہا دیگ مل گئی، سونے چاندی سے بھری دیگ جو ہم نے سکھ ویر کے سامنے زمین میں دفن کی تھی، لالچ نے سکھ ویر کو حیوان بنا دیا تھا، پیسے کی ہوس نے کئی سال پرانے تعلقات پر پانی بہا دیا اور سکھ ویر شیطان بن گیا جس کا دکھ تا عمر ابراہیم صاحب کے دل میں تیر کی طرح پیوست رہا" بی بی جان خاموش ہو گئیں جب میں نے ان کے ٹھنڈے برف ہاتھوں کو ہاتھ میں تھام کر پوچھا: "بی بی جان آپ سب لوگ وہاں سے کیسے نکلے؟"

"پیدل کھیتوں میں سے بھاگ کر ہم نے اپنی جان بچائی کیوں کہ وہ لٹیرے مال و دولت جمع کرنے میں مصروف ہو چکے تھے، ورنہ شاید آج ہم میں سے کوئی زندہ نہ بچتا. ہم جب بھاگتے ہوئے اسٹیشن پہنچے تو وہاں ہم جیسے کئی لٹے پٹے قافلے موجود تھے اور پھر پاکستان جانے والی ٹرین کے ذریعے اپنے فوجی جوانوں کی حفاظت میں ہم پاکستان آگئے اور ہجرت کے اس سفر میں اپنی کل متاع زندگی لٹا کر بھی دل مطمئن تھا کہ ہم آزاد ہیں، یہ وطن ہمارا ہے جہاں ہم اور ہماری عزتیں محفوظ ہیں، دو چیزیں نہیں بھولیں گی، کبھی نہیں ایک فاطمہ کی بے گور و کفن لاش اور دوسرا ابراہیم صاحب کا سکھ ویر پر اندھا اعتبار" بی بی جان نے اتنا کہہ کر ایک گہرا سانس لیا اور خاموش ہو گئیں۔

بقیہ

ناقدری کا انجام

اور نندیں حیرت زدہ بلکہ دہشت زدہ ہو گئیں۔ اس وقت گھر میں ہمارے دوسرے عزیز بھی موجود تھے۔ ان میں سے کسی کو میرے بیٹے کی پیدائش کا علم نہ تھا۔ ان میں سے ایک عورت کہنے لگی، یہ کیسے ہوا ذرا ہمیں بھی کچھ بتاؤ گھر میں موجود تمام عورتیں میری طرف متوجہ ہوئیں اور ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ میں نے اپنی سابقہ ساس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ نقص میرے اندر نہیں بلکہ تمہارے بیٹے میں تھا۔ میرا سابقہ شوہر بھی میری بات سن رہا تھا۔ یہ ہے وہ رپوٹ اور میں نے رپوٹ نکال کر ان کی طرف اچھال دی اور پھر میں کہنے لگی کہ میں نے اس کے جذبات اور احساسات کو ٹھیس پہنچنے سے بچانے کی خاطر اپنا نقص ظاہر کیا تھا۔ حالاں کہ سارا نقص اسی میں ہے۔ میں نے یہ قربانی اس کے لیے پوری زندگی دینے کا عزم کر لیا تھا۔ مگر تم نے اس کی قدر نہیں کی اور طلاق دلوا دی۔ کیا تم نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اولاد انسان کی اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے پھر کیا اللہ کے فیصلے پر کوئی انسان دوسرے کو مجرم قرار دے کر سزا دینے میں حق بجانب ہے۔

میری یہ بات سن کر اس کی بیوی، بہنوں اور ماں کے منہ لٹک گئے۔ میں نے سلام کیا اور اپنے شوہر کے ساتھ ان کے گھر سے نکل آئی اور اُن کے گھر میں سناٹا چھا چکا تھا۔

Your Friend In Real Estate

جُنید امین

الحمدللہ پورے اطمینان اور بھروسے کے ساتھ
بحریہ ٹاؤن، ڈی۔ایچ۔اے سٹی اور ڈیفنس کراچی میں
محفوظ اور منافع بخش سرمایہ کاری۔
معلومات اور مشورے کے لیے

جُنید امین

BAHRIA TOWN

PAKISTAN DEFENCE OFFICERS HOUSING AUTHORITY
HOME FOR DEFENDERS

DHA CITY

نزد مسجد بیت السلام، خیابان جامی، فیز 4، ڈیفنس، کراچی

021-35313254 - 0300-9213373 junaidameen@live.com

امیدِ بہار رکھ

عالیہ ذوالقرنین لاہور

حسن نے ایک لمحے کے لیے پیچھے کرسی سے ٹیک لگائی اور ایک لمبی سے انگڑائی لی ہی تھی کہ ایک عجیب و غریب شور محسوس ہوا، جو آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں شور اتنا بڑھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اسی اثنا میں اس کا سیکرٹری بوکھلائے ہوئے انداز میں کمرے میں داخل ہوا۔

"سلیم! یہ کیسا شور ہے؟" اس نے چیخ کر پوچھا۔ "سر! یہ درختوں کی آوازیں ہیں" سلیم نے اس کے کان کے پاس چیخ کر کہا۔ "کیا مطلب؟" وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر کھڑکی کی طرف بڑھا جہاں سے باہر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ بہت سے درخت بینر اٹھائے سیکرٹریٹ کے سامنے سراپا احتجاج تھے۔

● "ہمارے مطالبات پورے کرو" ● "ہمیں کاٹنا بند کرو" ● "درخت اگاؤ... اپنا مستقبل محفوظ بناؤ"

"وٹ نان سینس... اب درخت بھی احتجاج کریں گے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"سر وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" سیکرٹری نے دوبارہ اس کے کان کے پاس چیخ کر کہا۔

"ان سے کہو میرے پاس ان فضول کاموں کے لیے کوئی وقت نہیں۔" اس نے تنگ کر کہا۔ سیکرٹری اس کا پیغام لیے لوٹ گیا۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا اور دوبارہ کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور تھوڑی سی کھڑکی کھول دی، آوازیں مزید واضح ہو گئی تھیں۔

"سنو... سنو خاموش ہو جاؤ خاموش ہو جاؤ کیا چاہتے ہو کیوں شور کر رہے ہو؟" سیکرٹری کی آواز مائک میں گونجی۔

"ہم شور کر رہے ہیں؟ ہم تو سوئے ہوؤں کو جگا رہے ہیں۔" ایک بوڑھا برگد آگے بڑھ کر بولا۔

"تم ہماری وجہ سے اس زمین پر سانس لیتے ہو"

"ہماری وجہ سے تم پر بارش برسائی جاتی ہے۔" پیپل کا درخت بھی آگے بڑھا۔

"ہم تمہارے لیے پھل سبزیاں اور اجناس اگاتے ہیں، بھلا گوشت تم کتنے دن کھا سکتے ہو؟۔" آم کے پیڑ نے فخر سے کہا۔

"تم جانتے بھی ہو کہ دنیا میں پچیس فی صد رقبہ ہمارے اگائے جانے کے لیے مختص ہے مگر تم لوگ اتنے لاپروا ہو کہ سوائے سوا دو فی صد کے تمہارے پاس ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں اور انہیں بھی تم کاٹنے سے باز نہیں آتے" شیشم کے درخت نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے منسٹر سے ملنا چاہتے ہیں، ابھی اور اسی وقت تاکہ ہم اسے بتائیں کہ اگر اس نے درختوں کو کاٹنے پر پابندی نہ لگائی اور شجر کاری پر توجہ نہ دی تو اس کی وجہ سے پورا ملک کن آفات کا شکار ہو سکتا ہے" بوڑھا برگد ناراضی سے گویا ہوا۔

"ہمارے منسٹر صاحب آج بہت مصروف ہیں۔ تم کسی اور دن آنا۔" سیکرٹری نے ساری بات سن کر کہا۔

"ہر گز نہیں... ہم نے بہت برداشت کیا ہے اگر اب تمہارے منسٹر صاحب نے آج ہم سے بات نہیں کی تو ہم یہیں احتجاجی دھرنا دیں گے، جب تک کہ ہمارے مطالبات منظور نہیں کر لیے جاتے۔" ببول کا درخت چلایا۔

"ٹھیک ہے ہمارے منسٹر صاحب کا کہنا ہے کہ تم جو چاہے کرو۔ فی الحال ان کے پاس ملنے کا وقت نہیں۔" سیکرٹری نے منسٹر صاحب کا پیغام پہنچایا اور شان بے نیازی سے واپس مڑ گیا۔

"ساتھیو! ہم میں سے کوئی واپس نہیں جائے گا جب تک تسلی سے ہماری بات نہیں سنی جاتی اور ہمارے مطالبات نہیں مان لیے جاتے۔" بوڑھے برگد نے دوسرے درختوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اور آج سے ہم ان تمام کاموں سے انکار کرتے ہیں، جو ہم حضرت انسان کے لیے پہلے دن سے بغیر کسی معاوضے کے سرانجام دیتے آئے ہیں۔" ایک اور درخت آگے بڑھ کر غصے سے بولا۔

"ہاں.. ہاں... ہم انکار کرتے ہیں۔ ہم انکار کرتے ہیں" سب درخت ہم آواز ہو کر چلائے۔

"ہونہہ.... انکار کرتے ہیں... بھاڑ میں جاؤ تم سب" حسن نے نخوت سے کہا، کھڑکی بند کی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھکن کی وجہ سے بغیر کھائے ہی لیٹا اور خواب خرگوش کے مزے لینے لگا۔

نہ جانے اسے سوئے کتنا وقت گزرا تھا کہ گھبراہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی اسے گلے میں کانٹے سے چبھتے محسوس ہوئے۔ اس نے قریب رکھی پانی کی بوتل اٹھائی اور ایک ہی سانس میں سارا پانی چڑھا گیا مگر سانس لینے میں دشواری برقرار رہی۔ اس نے گھبرا کر کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں مگر یہ کیا.... ہوا بند تھی اور ساری فضا عجیب گدلی سے محسوس ہوئی۔ تھوڑا سا سر نکال کر جھانکا تو آسمان کی رنگت سیاہی مائل ہو چکی تھی۔

"یا اللہ... یہ کیا ہے؟ کیا ہم نے کوئی کیمیائی تجربہ کیا ہے؟" اس نے خود کلامی کی اور باہر نکل آیا۔ سانس کی دشواری میں زیادتی محسوس کی چابیاں اٹھا کر ہسپتال کا رخ کیا مگر یہاں پہنچ کر پتا چلا کہ ہسپتال میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی تھی کیوں کہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر فضا میں آکسیجن کی شدید کمی ہو گئی جس سے لوگوں کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہونے لگا تھا اور کئی کئی لوگوں کو بیک وقت ہسپتال پہنچایا جا رہا تھا۔ وہ یہ سب پریشانی سے دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کا موبائل بجا:

"ہیلو... حسن بول رہا ہوں" اس نے سینے کو ملتے ہوئے دقت سے جواب دیا

"سر سارے ملک کے حالات بگڑ چکے ہیں اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے" دوسری جانب سے اسے سیکرٹری کی آواز سنائی دی۔ "کیوں! کیا ہوا؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

سفید پوش

کائنات غزل

"سیما بیٹا۔۔۔ یہ مسٹر بخاری کے گھر بھیج دو اور یہ میجر فاروق کے گھر اور یہ بھٹی صاحب کے گھر کا حصہ ہے۔"

گرمی کی شدت اور فضا میں پھیلی خون کی بو بتا رہی تھی کہ قربانی جیسی عظیم سنت کئی گھروں میں ادا ہو چکی ہے۔ گھروں سے۔ برتن کھنکنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ قربانی کے گوشت کے حصے بنانے کی آواز قصائیوں کے ہڈ پر بغدا مارنے کی آواز میں تیزی آ رہی تھی۔

آج عید الاضحیٰ کا پہلا دن تھا، کچھ بچے رنگ برنگے کپڑے پہنے ہاتھوں میں گھڑی اور چوڑیاں پہنے، گائے بکروں سے بچتے بچاتے جھولے جھولنے اور اونٹ پر سواری کرنے جا رہے تھے تو جن بچوں کے گھر قربانی ہو چکی تھی، وہ تھکے ہوئے لیکن پُر شوق چہروں کے ساتھ حصہ بانٹنے جا رہے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے انداز میں مگن تھا۔

سہیل صاحب کے گھر قربانی ہو چکی تھی۔ بکروں کی کلیجی ان کی بہو سیما بہت مزے دار بناتی تھی۔ پچھلے سال ہی ان کے بیٹے روحیل کی شادی بقر عید سے کچھ دن پہلے ہوئی تھی۔ سیما بہت اچھی بہو ثابت ہوئی تھی۔ آتے ہی اس نے پورے گھر کو سلیقے سے سنبھال لیا تھا۔ غزالہ بیگم (مسز سہیل روحیل کی شادی کے بعد بہت پُر سکون ہو گئی تھیں۔ اب زیادہ وقت ان کا اللہ اللہ میں گزر رہا تھا۔ لیکن قربانی کے حصے کے وقت انہیں سیما کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ پچھلی بار تو سیما نئی نئی دلہن تھی۔ سو سارا کام ہمیشہ کی طرح انہوں نے کیا۔ سیما نے ہلکی پھلکی مدد کرا دی تھی۔ لیکن اس بار سیما نے بہت اچھے طریقے سے سب سنبھالا ہوا تھا۔ غزالہ بیگم اس کی مدد کروا رہی تھیں۔ رشتہ داروں اور اڑوس پڑوس کے حصے نکال کر بچا ہوا گوشت غریب گھرانوں میں تقسیم کرنے کے لیے حصے بنانے لگیں۔

"امی جان۔۔۔ ایک بات کہوں؟ آپ ناراض تو نہیں ہوں گی۔"

سیما کو میجر، بخاری، بھٹی وغیرہ کے گھر گوشت بھیجنا بہت عجیب لگ رہا تھا کہ اس کے گھر میں تو کبھی ان لوگوں کے گھر گوشت نہیں بھیجا جاتا تھا جس کے گھر قربانی ہوتی ہو۔ اس کی امی بہت پہلے ہی بھائیوں کے ذریعے ان کے دوستوں اور محلے والوں سے باتوں باتوں میں معلوم کروا لیتی تھیں کہ کس کے گھر قربانی نہیں ہو رہی اور لسٹ بنا لیتی ہیں پھر اس کے بعد ان ہی گھروں میں بھیجتی تھیں، جن کے گھر قربانی نہ ہوئی ہو۔ رشتے داروں میں تو سب کے گھر قربانی ہوتی تھی۔ امی کہتی تھیں، منع نہیں ہے ان کے گھر بھیجنا لیکن میں سوچتی ہوں کل مجھ سے ان سفید پوش لوگوں کے بارے میں سوال نہ ہو جائے، جن کے گھر سارا سال گوشت نہ پکتا ہو اور عید پر بھی یہ نوبت نہ آئے اگر ہم ایسے گھرانوں کے بارے میں معلوم نہ کریں اور یہ سوچ کر چھوڑ دیں کہ اتنا بڑا خاندان ہے، ان کا آ جائے گا کہیں سے بھی۔۔۔ کیا خبر کہ ان کا پورا خاندان ان ہی سفید پوش زندگی گزار رہا ہو اور ایسے لوگ کبھی کسی سے مانگ کر اپنا بھرم نہیں توڑتے۔۔۔ یا رشتے دار ہونے کے باوجود وہ ان کی مدد نہ کرتے ہوں۔۔۔ مجھے تو خوف آتا ہے رب کی ایسی پکڑ سے۔ امی کی باتیں سیما کے دماغ میں گونج رہی تھیں۔ جو اس نے نہایت نرمی کے ساتھ ساس کو سمجھا دیں۔

"سچ کہتی ہو میری بچی! واقعی میں تو ہمیشہ اچھے کھاتے پیتے گھرانوں میں اچھا گوشت بھیج دیتی ہوں۔ باقی جو بچتا ہے وہ غریبوں میں تقسیم کروا کر سمجھتی ہوں کہ ہم نے بہت بڑا ثواب کما لیا ہے۔ تمہارے کہنے سے مجھے بھی بہت سے چہرے نگاہوں میں آ رہے ہیں، جن کے گھر واقعی گوشت نہیں پکتا ہوگا اور اپنی عزت اور بھرم رکھنے کے لیے کسی سے سوال بھی نہیں کرتے۔ میں ابھی نام لکھواتی ہوں تم کاغذ قلم لاؤ۔" غزالہ بیگم سیما کی بات سن کر دل میں بہت شرمندہ ہوئیں اور تمام حصوں پر دوبارہ سے نام لکھوانے لگیں۔۔۔ جب ایسے سفید پوش لوگ سوچے تو کئی نکل آئے۔ اب کی بار انہوں نے عظیم ثواب کو پا لیا۔

"سر درختوں نے آکسیجن بنانی چھوڑ دی ہے اور لوگوں کو سبزی اور پھل دینے سے انکار کر دیا ہے اور تو اور وہ چارہ بھی نہیں دے رہے۔۔ سر بھوک کی زیادتی سے مویشیوں کی جانوں کو بھی خطرہ ہے اور انہوں نے دودھ دینا بھی بند کر دیا ہے۔" سیکرٹری نے جلدی جلدی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"کیا!!" اس نے بمشکل بولتے ہوئے کہا۔

"جی سر۔۔۔ سر وہ پرندوں کو بھی اپنی شاخوں پر بیٹھنے نہیں دے رہے، جس سے وہ سارے شہر میں بری طرح شور کرتے ہوئے ادھر ادھر اڑ رہے ہیں، انہوں نے زہریلے جانوروں کو بھی اپنی کھوہ سے نکال دیا ہے اور وہ سب اب آبادی کا رخ کرتے ہوئے لوگوں کے گھروں میں گھس رہے ہیں اور وہ لکڑیاں بھی نہیں دے رہے، یہی حال رہا تو فرنیچر کی قلت ہو جائے گی اور ہمارے دیہاتی بھائی پریشان ہو جائیں گے۔ ہیں ان کے پاس جلانے کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ اور سر! سردی بھی بس آیا ہی چاہتی ہے۔ لوگ سردی سے ٹھٹھر ٹھٹھر مریں گے۔ اور نو مولود بچے اس خطرناک سردی کو کیسے برداشت کر سکیں گے" سیکرٹری نے صورت حال کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

"اوہو۔۔۔ اب کیا ہوگا؟" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"سر! شمالی علاقہ جات میں بھی درختوں نے کام کرنا بند کر دیا ہے، جس سے لینڈ سلائیڈنگ میں آٹھ افراد جاں بحق ہو چکے ہیں اور تو اور بالائی علاقوں میں سیلاب روکنے میں بھی درخت معاون ثابت نہیں ہو رہے، جس کی وجہ سے نشیبی علاقوں میں اونچے درجے کا سیلاب ہے اور لوگوں کی جانوں کو خطرہ ہے۔" سیکرٹری نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

حسن گاڑی روک کر حقیقتاً سر پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ گھبراہٹ سے گاڑی سے باہر نکلا، اچانک اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی، اس نے ارد گرد نظر دوڑائی تو لوگوں کو آکسیجن کی کمی سے ایک ایک کر کے گرتے دیکھا۔ اس نے خود بھی لمبا سانس کھینچنا چاہا مگر کھینچ نہ سکا۔ "کاش میں ایک بار درختوں کی بات سن لیتا" یہ اس کے ذہن میں آنے والا آخری خیال تھا اس نے چیخ کر رونا چاہا، مگر اس کی آواز اس کے اندر ہی کہیں گم ہو چکی تھی اور پھر وہ سینے پر ہاتھ رکھے جھکتا چلا گیا۔

"حسن۔۔۔ حسن۔۔۔۔ کیا ہوا؟ کیوں چیخ رہے ہو؟" اس کی والدہ نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "کیا۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔ وہ سب خواب تھا" اس نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے کہا اور بے ساختہ اس کے ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھ گئے۔ "! یا اللہ تیرا شکر ہے تو اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔" اس نے نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر جانے لگا۔

"کیا ہو گیا؟ اب کہاں جا رہے ہو ابھی کچھ دیر پہلے تو آئے ہو؟" حامدہ بیگم نے خفا ہوتے ہوئے پوچھا۔ "نہیں امی۔۔۔ میں اپنا کام کر کے ابھی واپس آتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔"

اگلے دن منسٹر صاحب ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے: کہ کوئی بھی عام شخص درخت نہیں کاٹے گا اور سرکاری ادارے بھی صرف وہ درخت کاٹیں گے، جو عمر پوری کر چکے ہوں اور آکسیجن کی بجائے نقصان دہ گیسیں پیدا کر رہے ہوں۔ نیز ہر شخص اپنے ہر بچے کے نام سے ایک گملے میں ایک بڑا پودا لگا کر وہ گملا حکومتی کمیٹی میں جمع کروائے گا اور حکومت ان پودوں کو مناسب جگہ لگا کر ان کی صحیح دیکھ بھال کرے گی۔ گویا سر حسن نے درختوں کا مستقبل روشن کر کے اپنی نسلوں کا مستقبل محفوظ کرنے کی حکمت عملی ترتیب دے لی تھی۔ کام محنت طلب ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔

دیا جلائے رکھنا

عائشہ تنویر

جلتے ہیٹر نے کمرے کو موسم کی ٹھنڈک سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ درجہ حرارت کا فرق دھند بن کر کھڑکی کے شیشوں پر ٹھہرا تھا۔ وہی دھند، جوان کے رشتے کی نرم گرماہٹ کو سرد کر رہی تھی۔

"وطن کی خدمت فرض کفایہ سہی مگر اپنے گھر کی حفاظت تمہارا فرض عین ہے۔" عمر نے نرم مگر قطعی لہجے میں بات ختم کی۔

"سب یہی سوچ کر اس فرض سے پہلو تہی کرتے رہے تو عذاب پوری قوم کو جھیلنا ہوگا۔" سارہ کے اندر کوئی پوری قوت سے چلایا، مگر لب خاموش رہے۔ مشرق میں خاموشی جہیز کا لازمی جزر ہوتی ہے۔ وہ انقلابی تھی، مگر باغی نہیں۔ سو روایتی اقدار کو پلو سے باندھے چپ چاپ سنتی رہی۔ بے شمار جوابات نوک زباں پر مچلے مگر بولنا بے کار تھا۔

بابا جان کے انتقال کے بعد ننھے خاور کے ساتھ گاؤں میں اکیلے رہنا ممکن تھا، نہ گاؤں کا وہ اسکول چلانا جس کی بنیاد سارہ نے رکھی تھی۔ بابا جان کا تعاون ہی تھا، جو وہ اب تک یہ ماڈل اسکول چلا رہی تھی مگر باپ کے ساتھ ان سے منسلک تمام خواب بھی عمر نے دفنا دیے تھے۔ بیوی کے خواب تو بس وہی اچھے لگتے ہیں، جو خود اس کی آنکھوں میں سجائے جائیں۔

اپنی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ بھی پاکستان میں عمر اتنا نہیں کما سکتا تھا کہ اپنے بیٹے کے ساتھ گاؤں والوں کے خواب بھی پروان چڑھاتا۔ وہ اپنے بیٹے کو دنیا کی تمام سہولیات دینا چاہتا تھا اور سارہ اسے انسانیت کے لیے سہولیات دینے والا بنانا چاہتی تھی۔ عمر جیسے عملی شخص کے لیے اپنی فیملی اولین ترجیح تھی۔ محبت کی ڈور نے اس اختلاف کو ان دونوں کے مابین رنجش میں نہ بدلنے دیا۔ سارہ خوش دلی سے جانے کی تیاری کرنے لگی۔ مگر شوہر کے حکم پر سر خم کرتے ہوئے بھی وہ اپنی تصوراتی دنیا سے منہ نہ موڑ پائی۔ بہت سوچ بچار کرکے اسے جمیلہ خالہ میں امید کی کرن نظر آئی۔ ان کے یتیم بچوں کو اس نے مدد کرکے اس قابل کیا تھا کہ دنیا میں سر اٹھا سکیں۔ اس نے اپنے بلند ارادوں کی ڈور مبہم سی امید پر انہیں تھمائی۔

"میں وہاں سے پیسے بھیجوں گی۔ آپ اپنے بچوں کو پڑھایئے گا۔ زہرہ سے کہیے گا، جب تک ممکن ہو اسکول چلاتی رہے۔ پھر شاید یہاں سرکاری اسکول ہی بن جائے۔" آبائی گھر کی چابیوں کے ساتھ اس نے خواب بھی دان کر دیے۔ جمیلہ خالہ نے ایک عزم سے مٹھی بھینچی تھی۔ انہیں دیے سے دیا جلانا تھا۔

مغرب کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں بھی خواب اس کا پیچھا کرتے رہے، امیدیں جوان رہیں۔ وہ باقاعدگی سے پاکستان پیسے بھیجتی تو عمر جتاتا: "پوری نسل جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہو تو چند بچوں کی تعلیم کا فائدہ۔"

"اپنے حصے کا دیا جلانا میرا فرض ہے۔ آپ اپنی زندگی کا سورج روشن کریں۔" وہ مسکرا کر خاور کی طرف اشارہ کرتی۔ اس کے لیے یہی اطمینان کافی تھا کہ عمر اسے مالی امداد سے منع نہیں کرتا۔ اولاد کی محبت الہام کی طرح دل پر اترتی ہے، جو ہر لمحہ محسوس ہوتی ہے مگر مٹی کی خوشبو وجود کی عمارت میں یوں گندھی ہوتی ہے کہ ہمہ وقت احساس نہ بھی ہو تو دل مہکتا رہتا ہے۔ وہ اپنی دھرتی کو بھولنے والوں میں سے نہیں تھی۔ اُس سرزمین کی محبت اس کے قلب کو ہر لحظہ معطر رکھتی۔ وطن کی محبت رگوں میں خون کے ساتھ بہتی تھی، سو اس کے جگر گوشے کے دل میں کیوں نہ اترتی۔ وہ ماں کی مناجات سے واقف تھا۔ وہ ان بے خواب راتوں کو جانتا تھا، جو اس کی ماں نے اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے گزاریں۔ وطن پر آنے والا ہر مشکل وقت اس کی ماں نے دعاؤں سے کاٹا تھا۔ وہاں ان کا کوئی خونی رشتہ نہ تھا مگر سب اپنے تھے۔ وہ جب بھی ماں کو اداس پاتا، تسلی دیتا: "میری تعلیم مکمل ہو جائے، پھر ہم وہیں رہیں گے۔ میرا علم، میری صلاحیتیں، میرا وجود پاک سرزمین کے لیے وقف ہے۔"

اس کے وعدوں پر سارہ کی آنکھوں میں نمی اور عمر کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ سج جاتی۔ جس ملک میں تعلیمی ادارے تک محفوظ نہ تھے وہاں وہ اپنے بیٹے کو کیسے بھیج سکتا تھا۔ وہ دماغ سے سوچتا تھا۔ محبت اس کے پاؤں کی بیڑی کبھی نہیں تھی۔ اس سے پوچھا جاتا تو وہ ترقی پذیر کے ملک کے اُس چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ابھی نہ ہوتا۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد واپس صفر پر جانا اسے منظور نہ تھا۔ تقدیر کے فیصلے کسی کی منشا کے محتاج نہیں ہوتے۔ جب سب اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کر چکے تو کاتب تقدیر نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ایک حادثے میں خاور کی وفات ایسا جھٹکا تھی جس نے انہیں اندر تک ہلا دیا۔ جس نیوکلئیس کے گرد وہ گھوم رہے تھے، وہ ٹوٹ گیا اور وہ دونوں اپنے مدار سے نکل کر خلا میں جا گرے۔ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے لیے، اپنی جڑیں پانے کے لیے انہیں لوٹنا پڑا۔ دیار غیر میں عمر گزار کر جب وہ گاؤں پہنچے تو "خاور پرائمری اسکول" کی جگہ "خاور ڈگری کالج" ایستادہ تھا۔ سارہ کے جلائے دیوں نے اس کا گاؤں روشن کر دیا تھا۔

St. Ives

ORIGINAL SWISS FORMULA

Brighten Up!

with

AMERICA'S NO.1 & AWARD WINNING

Scrub Brand

Your face comes first, and when it looks great, you do too.

100% Natural Extracts
Paraben Free
Oil Free
Dermatologist Tested
Hypoallergenic

AT A PRICE, EVERY ONE CAN AFFORD

COMPLETE RANGE OF ALL **SCRUBS BODY LOTION & BODY WASHES**
AVAILABLE AT ALL MAKEUP CITY OUTLETS & LEADING STORES NATION WIDE

باپ کا بیٹی کے نام خط

صبر کے ثمرات

محمد دانش

میری سعادت مند بیٹی۔ ہزار ہا دعائیں

واقعہ افک پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صبر:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت اور بہتان لگایا تو آپ کے شب و روز آہ و زاری میں گزرنے لگے اور آپ اللہ سے برأت کے لیے دعائیں مانگتی رہیں۔ آپ نے اس سانحے پر جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، اس کی تاریخ کوئی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آپ نے اپنے والدین سے کہا کہ رسول اللہ کو میری طرف سے جواب دیں، انہوں نے کہا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیا جواب دیں۔ اس کے بعد آپ نے خود جواب دیا کہ "اللہ کو خوب معلوم ہے کہ میں بالکل بَری ہوں لیکن یہ بات دلوں میں اس درجہ راسخ ہو گئی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں بَری ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بَری ہوں تو کوئی یقین نہیں کرے گا اور اگر بالفرض میں اقرار کرلوں حالاں کہ اللہ خود جانتا ہے کہ میں بَری ہوں تو یقین کر لیا جائے گا اور وہ رو کر کہنے لگیں "وَاللّٰہِ لَا اَتُوْبُ مِمَّا ذَکَرُوْا اَبَدًا" خدا کی قسم میں اس چیز سے کبھی توبہ نہیں کروں گی، جو یہ لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ بس میں وہی کہتی ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا "فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ط وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ" اور یہ کہہ کر بستر پر جا کر لیٹ گئیں۔

واقعہ افک سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال ورع اور غایت تقویٰ کا پتا چلتا ہے کہ یہ آزمائش ایک ماہ سے زائد مدت تک رہی اور اس دوران وحی کا نزول بھی نہیں ہوا۔ مگر بیٹی کی حمایت میں ایک حرف زبان سے نہیں نکلا۔ شدت رنج و غم سے صرف ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا "خدا کی قسم یہ بات تو زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں کہی گئی پھر جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی تو یہ کیسے ممکن ہے؟"

رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی جگہ سے اُٹھے نہ تھے کہ دفعتاً آپ کے چہرے مبارک پر وحی کے آثار نمودار ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں جس وقت آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا، خدا کی قسم میں بالکل نہیں گھبرائی کیوں کہ میں جانتی تھی کہ میں بالکل بَری ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ پر ظلم نہیں فرمائیں گے۔ لیکن میرے ماں باپ کا خوف سے یہ حال تھا کہ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ ان کی جان نکل جائے گی، ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا وحی اس کے موافق نازل ہو جائے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔

وحی آسمانی کا نزول ختم ہوا اور چہرہ انور پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوئے آپ ﷺ مسکراتے ہوئے اور دستِ مبارک سے جبیں منور کو پونچھتے ہوئے حضرت عائشہؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلا کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوا وہ یہ تھا "اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَۃُ فَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ بَرَاءَتَکِ" بشارت ہو تجھ کو اے عائشہ! تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیری برأت نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ تو مجھے یقین تھا کہ اللہ جلّ شانہ میری برأت فرمائیں گے۔ مگر یہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میری برأت کے بارے میں قرآن کریم کی آیتیں نازل ہوں گی۔ جن کی ہمیشہ تلاوت ہوتی رہے گی۔ یعنی قیامت تک میری برأت اور نزاہت کا مسجدوں، محرابوں، منبروں اور خلوت خانوں میں اعلان ہوتا رہے گا۔

میری والدہ نے کہا اے عائشہ اُٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو میں نے کہا میں سوائے خدا تعالیٰ کے جس نے میری برأت میں آیات نازل فرمائی، کسی کا شکریہ ادا نہیں کروں گی۔ شکرِ نبوی سے انکار ناز محبوبی کے مقام سے تھا۔ اور ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل تو کسی چیز سے لبریز ہو مگر زبان سے اس کے برعکس کہہ رہی ہو۔ ظاہر میں ترش روئی اور لاپروائی ہو اور دل عشق و محبت سے لبریز ہو۔ ظاہر میں ایک ناز تھا لیکن صد ہزار ناز اس میں مستور تھے۔

افک کے واقعے سے پورے مدینے میں ہلچل مچ گئی ایک سناٹا سا چھا گیا آقائے دو جہاں، اللہ کے محبوب کتنے مغموم ہوئے ہوں گے، جو پوری انسانیت کے لیے سراپا رحمت، امت کے خیر خواہ جن کو خالق کائنات نے الرؤف، الرحیم کہہ کر پکارا اور طٰہٰ، یٰس، مزمل اور مدثر کے القاب سے نوازا امّاں عائشہؓ پر کیا پہاڑ ٹوٹے ہوں گے۔ حضور اقدس ﷺ پر جان چھڑکنے والے صحابہ کرامؓ پر کیا گزری ہو گی۔

بیٹی! جانی و مالی نقصان ہو جائے تو کسی حد تک انسان برداشت کر لیتا ہے۔ لیکن اگر عزت پر بن آئے تو بڑے بڑے قوی اعصاب کے مالک ہمت و حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔ قربان جائیے میرے آقا پر، امّاں عائشہؓ پر اور ان اطہر نفوس پر جنہوں نے صبر کی انتہا کر دی۔

ایمان والے سورۃ النور کی آیات کا جو اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، دل کی گہرائیوں سے بغور مطالعہ تو کریں آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں اللہ جلّ شانہ نے حضرت لقمان کی ان نصیحتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ارشاد فرمایا "یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" سورۃ لقمان

ترجمہ: بیٹا! نماز قائم کرو اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے اس پر صبر کرو۔ بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

صبر کی تلقین کرتے ہوئے حضرت لقمان نے بیٹے کو یہ فرمایا کہ مصیبت پر صبر کرنا اگرچہ مشکل کام ہے۔ لیکن اس کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹنے پائے۔

دعا گو
آپ کے ابو

حیا اور ایمان

قرۃ العین خرم ہاشمی

"مما! ہم اسکول کب جائیں گے؟" دس سالہ علیزے نے اپنی ماں سے پوچھا، جو ملازمہ کو گھر اچھی طرح صاف کرنے کی ہدایت کر رہی تھی۔

"ان شاء اللہ بہت جلد!۔ آپ کے پاپا کئی اسکولوں کا وزٹ کر چکے ہیں، مگر ابھی تک کسی سے مطمئن نہیں ہوئے۔" مما نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ علیزے اپنی خوب صورت باربی ڈول سے کھیل رہی تھی "مما! پتا نہیں یہاں کی پڑھائی کیسی ہو گی؟ میں پڑھ بھی سکوں گی یا نہیں۔" علیزے نے فکر مندی سے کہا۔ "میں تمہارے لیے ہوم ٹیوٹر کا بندوبست کر دوں گی۔ فکر مت کرو۔" مما نے مطمئن انداز میں کہا۔ "ہاں! یہ ٹھیک ہے۔" علیزے نے مطمئن ہو گئی۔ "باجی! آپ کی بیٹی تو انگریز لگتی ہے۔" ملازمہ نے حیرت سے علیزے کو فر فر انگلش بولتے دیکھا تو کہا۔

مسز عفان بے ساختہ ہنس پڑیں۔ انھیں یہاں اکثر ہی اپنے بچوں کے لیے یہ سننے کو ملتا۔ مسز عفان نے مسکراتے ہوئے انگلش میں یہ بات علیزے کو بتائی تو وہ بھی مسکرانے لگی۔ اس وقت عفان گھر کے اندر داخل ہوئے۔

"کل ایک اسکول جائیں گے، بچوں کے داخلے کے لیے۔" علیزے کے پاپا نے فارم مما کو دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا! کیا آپ مطمئن ہیں؟" علیزے کی مما نے پوچھا۔

"ہاں! شہر کا مشہور اسکول ہے۔ بہت اچھی ساکھ ہے۔ باقی معلومات وہاں جا کر لے لیں گے۔" علیزے کے پاپا نے کہا۔ تو مما نے سر ہلا دیا۔

علیزے کو اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان شفٹ ہوئے کچھ عرصہ ہی گزرا تھا۔ علیزے کی پیدائش امریکا میں ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے نو سال امریکا جیسے آزاد معاشرے میں گزارے۔ اس لیے پاکستان آکر ان سب کو سیٹ ہونے میں کافی مشکل پیش آرہی تھی۔

علیزے اور اس کے دو بھائیوں کا داخلہ اسکول میں ہو گیا۔ علیزے اور اس کے دونوں بھائیوں کا لب ولہجہ تو امیریکن تھا مگر ان کا لباس اور انداز بہت سادہ اور مشرقی تھا۔ جب اسکول میں ٹیچر زاور ساتھی طلبہ کو پتا چلا کہ یہ بچے امریکا سے آئے ہیں تو وہ بہت حیران ہوئے۔

"مسز عفان! آپ کے بچے بہت سادہ ہیں۔" کلاس ٹیچر نے علیزے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اچھا! وہ کیسے؟" علیزے کی مما نے حیرت سے سوال کیا۔

"علیزے کا حلیہ دیکھ کر۔" ٹیچر نے کہا۔ علیزے نے اسٹائلش جینز کے اوپر لانگ شرٹ پہنی ہوئی تھی اور سر پر اسکارف تھا۔

"اس لیے کہ ہم نے اپنے بچوں کو، اپنے کلچر اور مذہب کے مطابق پروان چڑھایا ہے۔" مسز عفان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "ہاں یہ بہت بڑی بات ہے اور قابل تعریف بھی۔" کلاس ٹیچر نے سراہا۔

علیزے کو اسکول میں پڑھتے ہوئے کچھ مہینے گزر گئے تھے، مگر وہ بہت اداس اور بجھی بجھی رہتی تھی۔ ایک دن اس کی مما نے پیار سے اپنے پاس بیٹھایا اور اداسی کی وجہ پوچھی۔

"مما! میں خود کو یہاں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی۔" علیزے نے بے بسی سے کہا۔

"کیوں؟" مما نے حیرت سے سوال کیا۔

"مما! یہاں کے لوگ بہت عجیب ہیں۔" علیزے نے کہا۔

"بیٹی! لوگ تو ہر جگہ عجیب ہوتے ہیں۔ ہمیں ہی اپنی راہ کا تعین کر کے چلنا ہوتا ہے۔" مما نے نرمی سے سمجھایا۔

"مگر مما! یہاں اور وہاں میں بہت فرق ہے۔" علیزے اپنی بات پر قائم تھی۔

"اس لیے کہ دونوں الگ الگ ملک ہیں۔" مما نے کہا۔

"یہی تو، امریکا میں سب کچھ وہاں کے کلچر کے مطابق ہے۔ مگر یہاں لوگ اپنے کلچر کے مطابق نہیں جی رہے، بلکہ یہاں کے لوگ، ہر چیز میں دوسروں کی کاپی کرتے ہوئے عجیب سے ہو گئے ہیں کہ نہ یہاں کے لگتے ہیں اور نہ وہاں کے۔" علیزے نے سمجھ داری سے تجزیہ پیش کیا۔

"ہاں یہ بات تو ہم نے بھی محسوس کی ہے۔ پہلے اور اب میں بہت فرق آگیا ہے۔ لوگوں نے آزادی اور فیشن کے نام پر اپنے بچوں کو کافی غلط چیزیں سکھا دی ہیں۔" مما نے افسوس سے کہا۔

"مما! سکول میں اکثر بچے میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ میں امریکا سے آئی ہوں مگر اسکارف لیتی ہوں۔ نماز پڑھتی ہوں۔" علیزے نے اپنی پریشانی کی وجہ بتائی تو مما نے پر سوچ انداز میں سر ہلایا۔

"دراصل علیزے بات یہ ہے کہ جب کسی کو پتا چلتا ہے کہ ہم لوگ اتنے سال امریکا میں رہ کر آئے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم اپنی روایات اور مذہب کو بالکل بھول گئے ہوں گے۔ اس وجہ سے وہ ہمارے رویے سے حیران ہوتے ہیں، مگر تم ان سب باتوں کو نظر انداز کر دیا کرو۔ کچھ وقت لگے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

مسز عفان نے نرمی سے سمجھایا تو علیزے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ علیزے کو اسکول میں بہت سی اپنی ہم مزاج اور ہم خیال لڑکیاں مل گئیں تو وہ خوش رہنے لگی۔ اب اس کا اسکول میں دل بھی لگتا تھا۔ علیزے کو خوش اور مطمئن دیکھ کر اس کی مما بھی خوش تھیں۔ کچھ دنوں کے بعد خاندان میں آگے پیچھے شادیاں آگئیں۔ خاندان کے لوگ بہت خوش تھے کہ اتنے عرصے بقیہ ص 33 پر

نیکی

مریم صدیقی

"حسان بیٹا آپ یہاں بیٹھے ہیں؟ میں کب سے آپ کو آواز دے رہی ہوں کہ آ کر کھانا کھا لیجیے"۔ حسان خاموشی سے اٹھ کر ان کے ساتھ چل دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ حسان بے حد خاموش ہے، کھانا بھی بے توجہی کے ساتھ کھا رہا ہے، جب کہ آج تو اس کے پسند کے آلو کے پراٹھے بنے ہیں۔ وہ کافی دیر تک اسے یوں ہی دیکھتی رہیں لیکن نہ جانے اس کا دھیان کہاں تھا۔ "حسان بیٹا آپ نے اسکول میں کیا کیا آج؟"

"کچھ بھی نہیں امی بس پڑھائی کی"، اس نے مختصر جواب دیا اور پانی پی کر اٹھ گیا۔ امی میں کھانا کھا چکا۔ اس کی امی نے پریشانی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ نہ جانے کیا بات تھی، جو اسے اس قدر پریشان کر رہی تھی۔ وہ تو ایسا نہ تھا ہر وقت ہنستا بولتا اور شرارتیں کرتا تھا۔ اسکول سے آ کر جب تک ہر پل کی روداد نہ سنا لیتا، چین سے نہ بیٹھتا تھا، لیکن آج اس کا رویہ حیران کن تھا۔

حسان آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا، بے حد ذہین اور سمجھ دار بچہ تھا۔ تمام اساتذہ ہمیشہ اس کی تعریف کرتے تھے۔ حسان کے والد کا ایک ایکسڈنٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے حسان بہت حساس ہو گیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل سے لگا لیتا اور دیر تک انہیں سوچتا رہتا۔ اس کی امی اس کا پہلے سے بڑھ کے خیال رکھنے لگی تھیں۔

کاموں سے فارغ ہو کر امی اس کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ دیکھا تو وہ چھت کو گھور رہا تھا اور آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے۔

"بیٹا آپ کو اسکول میں کسی نے کچھ کہا ہے؟ کیا بات ہے ایسی جو آپ اتنا پریشان ہیں۔ مجھے بتائیے"، امی نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں امی کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بس ایک بات ہے، جو پریشان کر رہی ہے۔ ہمارے اسلامیات کے سر نے ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں پڑھاتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ کیسے نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر ایک کی بس یہی خواہش ہوتی تھی کہ ان کے پاس زیادہ نیکیاں جمع ہو جائیں اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کرتے تھے ایک دوسرے سے بڑھ کر صدقہ و خیرات کیا کرتے، اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کرتے، بیماروں کی عیادت کرتے، مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ عادت بہت پسند تھی۔ ہمارے سر نے یہ بتانے کے بعد ہم سے کہا کہ ہمیں بھی سیرت صحابہ پر عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنی چاہییں تاکہ روزِ قیامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بھی خوش ہوں اور ہمارا نیکیوں کا پلڑا بھی بھاری ہو۔ اسی سلسلے میں سر نے ہم سب سے کہا کہ ہم اس ہفتے سے کوئی بھی نیکی کا کام شروع کریں گے، اس نیت کے ساتھ کہ اس کام کو ہم ہمیشہ جاری رکھیں گے۔ امی جان سب بچوں نے کوئی نہ کوئی نیکی کا کام شروع کر دیا ہے۔ کسی نے درخت لگائے اور وہ روز اس کو پانی دیں گے، کسی نے غریبوں کی مدد کی اور کسی نے اپنے سامان دوسروں کے ساتھ بانٹا۔ کچھ بچوں نے ہمارے اسکول میں کام کرنے والی آنٹی کی مدد بھی کی۔

امی جان میں اس لیے پریشان ہوں کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں ایسی کیا نیکی کروں کہ جسے میں جاری رکھ سکوں اور وہ نیکی ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ سب بچوں نے سب کچھ کر لیا اور میرے پاس یا آپ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوتے کہ ہم کسی کی روز مدد کر دیا کریں۔ تو کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خوش نہیں ہوں گے؟ اور اللہ مجھ سے راضی نہیں ہو گا؟" اس نے تفصیلی جواب دے کر سر جھکا لیا۔ اس کے جواب میں سوالات بھی تھے جو اسے پریشان کر رہے تھے۔

"اچھا تو یہ معاملہ ہے آپ کے ساتھ"، انہوں نے گہری سانس لی اور پیار سے حسان کا ماتھا چوم لیا۔ "ایک کام کریں، ابھی آپ کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔ ہم شام میں مل کر آپ کے مسئلے کا کوئی حل سوچیں گے"۔

حسان کو سلا کر وہ کمرے سے باہر نکل آئیں، انہیں اب حسان کی مشکل کو آسان کرنا تھا اور اس کے اندر پیدا ہونے والے جذبے کو ختم نہیں ہونے دینا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر ابھی انہوں نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی تو وہ بڑا ہو کر نیکیوں کی طرف راغب نہیں ہو پائے گا۔ ابھی جس جذبے کا بیج اس کے دل میں ہے، اسے انہیں ایک تناور درخت بنانا تھا۔ شام کو حسان اٹھتے ہی ان کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا:

آپ نے کہا تھا کہ شام میں آپ مجھے بتائیں گی"، اس نے سیب کی قاش منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "بالکل میں نے ایسا کہا تھا اور مجھے اپنا وعدہ یاد بھی ہے۔ بیٹا آپ جانتے ہیں اللہ ہمارے اعمال کے ساتھ ساتھ ہماری نیت بھی دیکھتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔ جب بھی ہم کوئی اچھا کام کریں تو سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں اس نیکی کے لیے منتخب کیا ہے اور اس نیکی کو ہمیشہ کرنے کی نیت سے کرنا چاہیے۔ آپ چاہتے تھے نا کہ آپ بھی باقی بچوں کی طرح کوئی ایسا کام کریں جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ راضی ہوں تو بیٹا سب سے پہلے نیت کیجیے کہ آپ کوئی بھی نیکی صرف اللہ اور نبی اکرم ﷺ کی رضا کی خاطر ہی کریں گے۔ اس نیکی کا مقصد کسی کو نیچے دکھانا یا مقابلہ کرنا نہیں ہو گا"۔

"جی امی! میں نیکی کا کام اللہ کی رضا کے حصول کے لیے ہی کرنا چاہتا ہوں"۔

"تو ٹھیک ہے بیٹا، آپ کا یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ آپ جو بھی اسکول سے پڑھ کر آئیں، جو بھی اچھی بات سیکھ کر آئیں کل سے وہ آپ نے جنید کو بھی سکھانی ہے"۔

"امی جنید، سلیم چاچا کا بیٹا؟"

"جی بیٹا، جنید سلیم چاچا کا بیٹا جو اپنے والد کی بیماری کی وجہ سے اپنی پڑھائی مکمل نہیں کر سکا۔ آج سے آپ جو بھی اسکول میں پڑھیں گے شام کے وقت جنید کو پڑھا دیا کریں کیوں کہ علم پھیلانا سب سے افضل نیکی ہے اور ایسی نیکی ہے جسے آپ تاعمر جاری رکھ سکیں گے ان شاء اللہ!"۔ امی کی بات سن کر حسان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے، امی نے تو واقعی اس کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

اگلے دن اس نے اسکول جا کر اپنے سر کو بتایا، انہوں نے اسے شاباش دی اور اسے علم میں اضافے کی دعا بھی دی۔ اب اس کا معمول تھا کہ وہ روز شام میں جنید کے گھر چلا جاتا اور اپنی کتابوں سے ہی اسے سارے اسباق پڑھاتا۔

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

**Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases**

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

دادی جان کی یادیں

محمد احمد رضا انصاری

چودہ اگست کی صبح کا ذکر ہے۔ واصف نے دادی جان کے کمرے میں جھانکا۔ وہ ابھی فجر کی نماز پڑھ کر واپس آیا تھا۔

دادی جان جائے نماز پر بیٹھی تھیں۔ نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کے بعد وہ اب خشوع و خضوع سے دعا مانگنے میں مشغول تھیں۔ دادی جان نے وہی سفید لان کا سوٹ پہنا ہوا تھا، جو درزن کل سلائی کرکے دے گئی تھی۔ ہلکی سبز چادر کے ہالے میں ان کا چہرہ بہت پر نور نظر آرہا تھا۔ وہ وہاں سے ہٹ کر اوپر چھت پر چلا آیا۔ موسم بہت خوب صورت تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر تیر رہے تھے۔ یہ منظر واقعی دیکھنے لائق تھا۔ ہوا کچھ تیز تھی۔ واصف ٹیرس پر آ کھڑا ہوا۔ وہاں رکھے پرندوں کے برتن خالی پڑے تھے۔ واصف نے ٹیرس کے ساتھ والے کمرے سے دانہ برتن میں ڈالا اور پانی کا برتن بھی لبالب بھرا۔ اور اسے اس کی مخصوص جگہ پر رکھ کر وہ نیچے آگیا۔ دادی جان دعا کرکے فارغ ہو چکی تھیں۔ واصف ان کے پاس آ بیٹھا اور کہنے لگا:

"دادی جان آپ نے کہا تھا نا تمہیں 14 اگست کو اپنی کہانی سناؤں گی"

"ہاں بیٹا مجھے یاد ہے۔ ناشتے کے بعد میرے کمرے میں آجانا۔"

"دادی جان آپ ناشتا نہیں کریں گی؟"

"نہیں بیٹا! شہیدوں کے ایصال ثواب کے لیے میں اس دن روزہ رکھا کرتی ہوں۔ تم ناشتا کرکے آؤ"

واصف نے جیسے تیسے جلدی جلدی ناشتا کیا اور پھر دادی جان کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دادی جان نے ایک افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا، اپنے ساتھ پلنگ پہ بٹھایا اور کہانی سنانے لگیں۔

◆◆◆

ہمارا مختصر سا قافلہ پانچ نفوس پر مشتمل تھا۔ ہم ایک نیم پختہ راستے پر پیدل چل رہے تھے، یہ راستہ ایک جنگل سے گزرتا تھا۔ ہم پانچوں بہت ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔۔۔ قافلے میں واحد مرد میرے بابا تھے۔ باقی چار میں ایک میں، میری ماما جان اور میری دو چھوٹی بہنیں زینب اور جمیلہ تھیں۔ اپنی حفاظت کے لیے بابا کے ہاتھ میں ایک لمبے دستے والی کلہاڑی موجود تھی۔ دستے پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ بابا اور ماما جان کچھ اس طرح چل رہے تھے کہ ہم تینوں بہنیں ان دونوں کے درمیان میں تھیں۔ ماما جان نے ایک ہاتھ میں کپڑے کی ایک پوٹلی اٹھائی ہوئی تھی، جس میں مکئی کی روٹیاں اور اچار بندھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پانی کا ڈول تھا۔ جس میں اب پانی بہت کم رہ گیا تھا۔ دراصل حالات اچانک ایسا روپ دھار گئے کہ ہمیں کوئی قیمتی سامان اٹھانے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ اپنا بھرا پرا گھر چھوڑ کر اپنی جانیں بچا کر ہم پاکستان کی طرف چل پڑے تھے۔۔۔ دکھ اور پریشانی سے ہم سب کے چہرے دھواں دھواں تھے۔۔۔ ہم سبھی ہر تھوڑی دیر بعد پیچھے مڑ کر بھی دیکھ لیتے کہ کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا۔ دادی جان اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ واصف نے دیکھا دادی جان کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ واصف نے پلنگ کے برابر میز پہ رکھے ڈبے سے ٹشو نکالا اور دادی جان کے آنسو صاف کرنے لگا۔ دادی جان کو واصف پر پیار آگیا، انہوں نے اسے سینے سے لگایا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔ دادی جان تھوڑی دیر خاموش رہیں۔ پھر کہنا شروع کیا

◆◆◆

تقسیم ہند سے پہلے ہمارا یہ مختصر سا گھرانا امرتسر کے ایک مضافاتی علاقے گنگو پور میں رہائش پذیر تھا۔ گاؤں میں آدھے گھر سکھوں اور ہندوؤں کے تھے اور آدھے مسلمانوں کے۔ برسوں سے سب مل جل کر ساتھ رہتے آ رہے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کے لیے ایک آزاد ریاست کا اعلان ہوا تو گاؤں کے ہندو اور سکھوں کے تیور بدلنے لگے۔

گاؤں کے اکثر مسلمان حالات بگڑنے سے پہلے ہی ہجرت کر گئے اور اپنا سب مال اسباب غیر مسلموں کو دے گئے۔ ضروریات زندگی کے سامان سے بھرے گھر، زرعی زمینں۔ مال مویشی۔ سب غیر مسلموں کے ہاتھ لگا تھا۔

اب دو تین گھر مسلمانوں کے بچے تھے، جن میں سے ایک ہمارا بھی تھا۔ بابا ہجرت نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔۔ وہ کہتے تھے میرے ماں باپ یہاں گاؤں کے قبرستان میں لیٹے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

جب حالات زیادہ خراب ہوئے تو گاؤں کے سرپنچ نے ایک دن بابا کو بلا کر کو دبے لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ جلد سے جلد اپنے خاندان کے ساتھ گاؤں چھوڑ دیں۔ قیمتی اشیا اور جو سامان وہ ساتھ لے جانا چاہیں لے جائیں"

بابا پھر بھی نہ مانے اور ماما جان کے سمجھانے کے باوجود ٹال مٹول کرنے لگے لیکن چند دن بعد ہی ہمارے گاؤں کے بھی حالات بگڑ گئے۔

عید کا تیسرا دن تھا۔ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے جب باہر سے لوگوں کا شور و غل سنائی دیا۔۔ اور فوراً ہی ہمارا دروازہ زوردار آواز سے بجنے لگا۔۔۔ بابا روٹی کا نوالہ رکھ کر دروازے پر گئے۔۔۔ باہر سکھوں اور ہندوؤں کا ایک ہجوم جمع تھا۔۔۔ ہاتھوں میں ڈنڈے، کرپانیں

اور کلہاڑیاں اٹھائے وہ ہمارے گھر کا گھیراؤ کیے کھڑے تھے۔

"باہر نکلو او مسلو۔۔۔۔۔تے چھیتی نال اے کار خالی کروتے اپنے وطن نوں نسو۔۔۔۔۔"

اگر نہ گئے تاں تے اسی اندر زندہ دفن کر دیاں گے

بلو سنگھ بابا کو دیکھتے ہی اپنی کرپان ہوا میں لہرا کر غرایا۔

گویا برسوں سے ساتھ رہنے والے ہماری جانوں کے دشمن بن چکے تھے۔ اب وہ گھر کے اندر گھس آئے تھے اور ہمیں زبردستی گھر سے بے دخل کر دیا۔ زیور، نقدی اور قیمتی اشیا میں سے کچھ بھی اٹھانے نہ دیا۔ بس گاؤں والوں نے اتنا رحم کیا کہ جو کھانا ہم کھانے بیٹھے تھے، وہ رومال میں باندھ کر ہمیں دے دیا اور ساتھ پانی کا ایک ڈول بھی۔ روتے سسکتے ہم آخری بار اپنے گھر کو دیکھ کر خالی ہاتھ پاکستان کی طرف چل پڑے۔

جنگل ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ چل چل کر ہم تھک چکے تھے۔ ایک جگہ رک کر ہم نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور پانی پیا۔ اور پھر چلنے لگے۔ اب پانی ختم ہو گیا تھا اور پیاس کے مارے ہمارا برا حال تھا۔ آخر جنگل ختم ہوا اور کھیتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں پانی ملنے کی امید تھی۔ ایک کھیت کے کنارے درخت تلے ہم بیٹھ گئے۔ بابا نے ماماجان سے کہا کہ میں آس پاس پانی دیکھتا ہوں۔۔ شاید پانی مل جائے۔ تم بچیوں کا خیال رکھنا، انہوں نے کلہاڑی ماماجان کو تھما دی تھی"

میں اس وقت دس سال کی تھی، میں مچل اٹھی کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ کچھ دیر سوچ کر بابا نے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

کچھ دور ایک کنواں نظر آیا، جس میں پانی موجود تھا۔ پانی کنویں سے نکال کر انہوں نے پہلے مجھے پلایا پھر تھوڑا سا خود پیا اور دوبارہ ڈول بھر لیا۔

ہم جب واپس آئے دور ہی سے ہم نے کیا دیکھا کہ چار سکھوں نے میری ماماجان اور دونوں بہنوں کو گھیر رکھا ہے۔ بابا نے ڈول مجھے پکڑایا اور مجھے دھان کی فصل میں دھکیل کر کہا۔ جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ کچھ بھی ہو جائے۔ خدیجہ! خدا کے لیے باہر مت آنا۔۔۔"

اور میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی بابا آگے بڑھ گئے۔

وقت کے ساتھ ساتھ میری پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ لیکن بابا کی ہدایت کا سوچ کر میں دبکی بیٹھی رہی۔ جب سورج مغرب میں اترنے لگا تو میں ڈرتے ڈرتے کھیت سے باہر نکلی اور اس درخت کی جانب بڑھی جہاں ماما اور میری بہنیں تھیں اور بابا مجھے چھوڑ کر اس طرف گئے تھے۔ وہاں پہنچ کر میری چیخیں نکل گئیں۔ بابا، ماماجان اور دونوں بہنیں خون میں لت پت پڑی تھیں۔ میں دھاڑیں مار مار کر رونے اور انہیں جھنجوڑنے لگی لیکن وہ میری صداؤں سے بے نیاز ہو کر ابدی نیند سو چکے تھے۔

دراصل سکھ وہاں سے گزرنے والے لوگوں کو نشانہ بناتے تھے۔ ان کا مال اسباب لوٹ لیتے تھے۔ ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ کچھ نہ ملنے پر بے رحم سکھوں نے بابا، ماماجان اور میری دونوں بہنوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔

پھر کیا ہوا دادی اماں۔۔۔؟

واصف انہیں خاموش ہوتے دیکھ کر بے چینی سے بولا۔

"پھر کیا ہونا تھا۔" دادی جان نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"پتا نہیں کب وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور وہ مجھے نیم بے ہوشی کی حالت میں پاکستان لے آئے۔ یہاں مجھے ایک بے اولاد جوڑے نے گود لے لیا تھا۔ آگے کی زندگی میں نے ان کے ساتھ گزاری۔ انہوں نے ہی مجھے پڑھایا لکھایا، میری شادی کی۔ برسوں گزر گئے۔۔ لیکن مجھے وہ شام نہیں بھولتی۔ زینب، جمیلہ اماں ابا بہت یاد آتے ہیں مجھے۔ اور چودہ اگست پر تو یوں لگتا ہے جیسے وہ میرے آس پاس ہی کہیں ہوں۔۔ ان کی موجودگی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔۔" بولتے بولتے خدیجہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو جھلملا اٹھے تھے۔۔۔۔۔

واصف کا دل بھی اتنا اداس تھا جتنا دادی جان کا۔ وہ اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتا کمرے سے باہر نکل آیا تاکہ دادی اماں مزید اداس نا ہوں۔

بقیہ حیا اور ایمان

کے بعد سب کو مل بیٹھنے کا موقع ملے گا۔ علیزے نے بھی خوشی خوشی شادی میں جانے کی تیاری کی مگر مہندی کے فنکشن میں جا کر علیزے حیران و پریشان رہ گئی۔ وہاں کا ماحول، بہت جدا اور الگ تھا۔ لڑکیوں کا لباس اور حلیہ دیکھ کر علیزے حیران نظروں سے اپنی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی مما بھی یہاں کا ماحول دیکھ کر حیران تھیں۔

بغیر ڈوپٹے کے، بغیر آستینوں کے چھوٹی قمیصوں، فٹنگ والے کپڑوں میں لڑکیاں بہت اطمینان سے گھوم پھر رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد بڑے سے اسٹیج پر سب ناچنے لگے۔ انڈین گانوں پر سب کے درمیان ناچتی لڑکیاں دیکھ کر وہ لوگ افسوس ہی کرتے رہ گئے۔ ایک رشتے دار خاتون نے جوش میں علیزے کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج کی طرف کیا۔

"جاؤ! علیزے تم بھی ڈانس کرو۔"

"میری بیٹی ایسے کام نہیں کرتی" مما نے سختی سے کہا تو آس پاس کی خواتین کے منہ بن گئے۔

"ہماری بچیاں بھی بہت شریف ہیں۔ یہ تو خوشی کا موقع ہے، اس لیے سب مل کر ناچ رہے ہیں۔" ایک خاتون نے ناگواری سے کہا۔

"آپ کی بچیاں چاہے کتنی بھی شریف اور اچھی ہوں مگر اس طرح سرعام، محرم اور نامحرم رشتوں کے درمیان ناچنا، غیر مناسب حلیے میں رہنا کسی بھی طرح قابل تحسین نہیں ہے۔ بہت معذرت! میرے الفاظ شاید سخت ہیں مگر میں نے غیر ملک میں رہتے ہوئے بھی جن خطوط پر، اپنے بچوں کی تربیت کی ہے، میرے لیے وہ بہت اہم ہیں۔ کیوں کہ میرے پیارے نبی ﷺ نے بہت واضح احکام اس بارے میں دیے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایمان ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں رکھتا ہے اور حیا (بھی) ایمان کی (شاخوں میں سے) ایک شاخ ہے۔" (صحیح بخاری)

آپ سب خود سوچیں کہ ہم اپنے بچوں کو اگر شرم اور حیا کا سبق نہیں پڑھائیں گے تو وہ کامل ایمان کے درجے پر کیسے پہنچیں گے؟ یہ صرف ہمارے بچوں کا ہی نہیں، بلکہ ہم والدین کا بھی امتحان ہے کہ ہم اپنی تربیت میں کامیاب ہوئے ہیں یا نہیں۔"

مسز عرفان نے نرمی مگر سنجیدہ انداز میں کہا۔ آس پاس کھڑے سب لوگ، بہت غور سے انھیں سن رہے تھے۔ "میں آپ کی بات سے متفق ہوں۔" ایک خاتون نے کہا تو اس کے ساتھ ساتھ کئی خواتین نے سر ہلا کر اعتراف کیا۔ بہت سے لوگوں کے چہروں پر شرمندگی تھی۔

اس رات وہ لوگ واپس آئے تو مسز عرفان بہت خوش تھیں۔ اس لیے کہ آج انھوں نے نہ صرف اپنے عمل، بلکہ اپنی گفتگو سے بھی یہ ثابت کیا تھا کہ وہ دین حق کی راہ پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی اچھی تربیت ایک مثال بن کر لوگوں کے سامنے آ رہی تھی اور یہی ان کا حاصل تھا، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جنگل پارٹی

سویرافلک، کراچی

پیارے بچو! ایک تھا جنگل۔ اس میں بہت سارے جانور رہتے تھے۔ شیر، چیتا، بھالو، بندر، ہاتھی اور دیگر کئی جانور اور پرندے۔ کوئی ایک دوسرے سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ سب اپنی اپنی فکروں میں گم تھے۔ نہ کوئی کسی دکھ کا ساتھی تھا اور نہ سکھ کا۔ غرض ہر ایک خود غرض اور بے حس بن کر رہ رہا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جنگل میں انسانوں کا ایک بہت بڑا گروہ (گروپ) آگیا۔ وہ لوگ جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ ان کے پاس مختلف قسم کے آلات وغیرہ تھے۔ وہ لوگ ایک گاڑی نما گھر میں رہتے تھے جس کو موبائل گاڑی کہتے ہیں۔ وہ لوگ صبح ناشتے کے بعد جانوروں کا شکار کرتے، ان کی کھال اتار کر درختوں پر سوکھنے لٹکا دیتے اور گوشت بھون کر کھا لیتے۔ ان میں سے کچھ لوگ درخت کاٹ کر علاحدہ کر کے رکھ لیتے۔ اس کو آگ جلانے میں استعمال کرتے اور کچھ اپنے ساتھ لے جاتے اور دوسرے سامان میں محفوظ کر لیتے۔

کچھ ہی دنوں میں جب جانوروں کی تعداد تیزی سے کم ہونے لگی تو جانوروں میں خوف وہراس پھیل گیا۔ ایسے میں جنگل میں سب سے زیادہ عمر رکھنے والی اور عقل مند بی فاختہ نے ببر شیر سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ تمام جانوروں کی میٹنگ بلا کر فوری طور پر اس صورتِ حال پر گفتگو کرے۔ شیر نے ایسا ہی کیا۔ اس نے تمام جانوروں کو فوری طور پر حاضر ہونے کا حکم دیا۔ تمام جانور چوں کہ جنگل کے بادشاہ کا حکم ہر حال میں ماننے پر مجبور تھے۔ وہ فوری طور پر غار میں حاضر ہو گئے۔ سب سے پہلے شیر نے اپنی مشیر خاص بی فاختہ سے موجودہ صورت حال سے متعلق رپورٹ طلب کی تو سیانی فاختہ نے انسانوں سے سننے والی گفتگو شیر اور دوسرے جانوروں کو بتائی۔ یہ گفتگو فاختہ نے ایک درخت کے پتوں میں چھپ کر سنی تھی۔ اس سیانی فاختہ نے بتایا: "وہ لوگ یعنی انسان جانوروں کی کھالیں اور درختوں کی لکڑیاں جمع کر کے بیچیں گے۔" یہ سن کر بی لومڑی کہنے لگی: مگر اس طرح تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اور ہمارا جنگل تباہ و برباد ہو جائے گا، ہمارا تو اس دنیا کے نقشے پر کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ بی لومڑی نے تشویش ظاہر کی تو سارے جانوروں کی آنکھوں میں خوف صاف دکھائی دینے لگا۔ ایسے میں ببر شیر بولا۔ "یہ وقت گھبرانے کا نہیں۔ ہمت، حوصلے اور عزم سے ہر مشکل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ہم جانوروں کا ایک گروپ بنائیں گے اور اس مشکل سے نمٹنے کے لیے موثر حکمت عملی ترتیب دیں گے اور امید ہے کہ ہم اس مشکل اور کڑے وقت سے جلد نکل جائیں گے۔"

"ان شاء اللہ تعالیٰ۔" تمام جانوروں نے مل کر آمین کہا اور پھر میٹنگ ختم کر دی گئی۔ پھر طے شدہ پروگرام کے مطابق ٹھیک تین دن بعد جب وہ لوگ درخت کاٹنے اور گوشت بھوننے میں مصروف تھے جانوروں کے تمام گروہوں نے ایک ساتھ ان پر حملہ کر دیا۔ ایک جانب سے ہاتھی چیختے چنگھاڑتے ان کی جانب بڑھے تو دوسری جانب سے شیروں کا گروپ دھاڑتا ہوا ان کی جانب لپکا۔ شکاریوں کے گروپ نے بندوقیں اور تلواریں نکال کر جانوروں کو ہلاک کرنے کی کوشش میں نشانہ لگانا چاہا تو بندروں کے غول نے جھپٹا مار کر ان کے ہتھیار چھین لیے اور درختوں پر جا بیٹھے۔ شہد کی مکھیوں نے ان کے سروں پر کاٹنا شروع کیا تو چیونٹیوں کی لمبی قطار نے ان کے پیروں پر کاٹنا شروع کر دیا۔ پرندوں نے ان کے جسم پر چونچوں سے ٹھونگیں مار مار کر انہیں ادھ موا کر دیا پھر تمام جانوروں نے ان کو جنگل کے گندے تالاب میں ڈال دیا۔ تمام جانور تھک چکے تھے لہٰذا بزرگ ببر شیر اور سیانی نانی فاختہ ان کے لیے بادام والا شربت، پھلوں کی چاٹ اور سبزیوں کی بریانی تیار کی۔ جب سب تھک ہار کر سو گئے۔ سو کر اٹھے تو گرما گرم چائے تیار تھی۔ سیانی فاختہ نے پیار سے سب کی طرف دیکھا اور کہا کہ "مجھے یقین نہیں آتا کہ ہم واقعی یہ جنگ جیت چکے ہیں۔ مجھے تم پر فخر ہے میرے بچو۔"

"اتفاق میں برکت ہوتی ہے میرے بچو! ہم مل کر عزم و حوصلے اور ہمت اور دانش مندی سے ہر ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ اب وعدہ کرو کہ سب آپس میں اسی طرح مل جل کر پیار و محبت سے رہو گے اور پھر جنگل کے بادشاہ نے اعلان کیا کہ ہر ہفتے ایک ون ڈش پارٹی رکھی جائے گی تاکہ سب مل کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ سنیں اور جب شیر کے ہاں پہلی دعوت ہوتی تو جنگل میں عید کا سا سماں تھا۔ سب جانور مل جل کر کام کر رہے تھے اور سیانی فاختہ اپنی ایک نظم لہک لہک کر گنگنا رہی تھیں۔

چوں چوں کرتی آئی چڑیا
دال کا دانہ لائی چڑیا
دھب دھب کرتا آیا بھالو
ڈھول اٹھا کر لایا بھالو
بھالو ڈھول بجائے گا
سب کو ناچ دکھائے گا

چڑیا موج اڑائے گی
پھُر پھُر کر وہ اُڑ جائے گی
چوں چوں کرتی آئی چڑیا
دال کا دانہ لائی چڑیا

گلہری

فوزیہ خلیل

عکاشہ کی اسکول کی چھٹیاں تھیں، وہ اپنے ماموں جان کے گھر رہنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ عکاشہ کے ماموں جان ایک بہترین مصور تھے۔ عکاشہ کو بھی تصویریں بنانے اور ان پر رنگ کرنے کا بہت شوق تھا۔ ماموں جان تصویریں بناتے اور اُن پر رنگ کرتے تو عکاشہ گھنٹوں بیٹھا دیکھتا رہتا۔ "ماموں جان، آپ کا برش بہت اچھا ہے، مجھے بہت پسند ہے۔" اُس نے کہا۔ "پتا ہے۔ یہ برش کس چیز سے بنے ہیں؟"

"کس چیز سے؟" اُس نے فوراً پوچھا۔ "یہ برش گلہری کی دم کے بالوں سے بنایا گیا ہے۔"

"گلہری کی دُم! اُس کی دم سے برش بنتے ہیں؟" عکاشہ اچھل پڑا۔ "ہاں بیٹا۔ گلہری اپنی دم سے بہت سے کام لیتی ہے۔ یہ اپنی دُم سے جگہ صاف کرتی ہے۔ تیز دھوپ میں سر پر سایہ کرتی ہے۔ ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتے ہوئے پیراشوٹ کا کام لیتی ہے۔"

"ماموں جان! گلہریاں تو بہت سی اقسام کی ہوتی ہیں۔"

"ہاں بیٹا! کچھ درختوں پر رہتی ہیں۔ کچھ زمینی ہوتی ہیں، جب کہ کچھ اُڑنے والی گلہریاں ہوتی ہیں۔ درختوں پر رہنے والی گلہریاں دنیا میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ یہ زیادہ تر وقت درختوں پر گزارتی ہیں۔ کھانے کی تلاش میں زمین پر آتی ہیں۔ درختوں یا بڑی بڑی شاخوں میں گھر بنا کر رہتی ہیں۔"

"اور ماموں جان۔ زمینی گلہری؟"

"زمینی گلہریاں، زمین میں سرنگ بنا کر رہتی ہیں۔ یہ اپنے پچھلے پیروں پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔" ماموں جان نے بتایا۔

"ماموں جان، اُڑنے والی گلہری سے کیا مراد ہے۔ کیا وہ پرندوں کی طرح پرواز کرتی ہے؟" عکاشہ نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا۔ "نہیں بیٹا، اُڑن گلہری ایک درخت سے دوسرے درخت تک لمبی چھلانگ لگا لیتی ہے۔ یہ ہوا میں اڑتے ہوئے اپنی دم کی مدد سے توازن قائم رکھتی ہے۔"

"مجھے گلہری بہت پسند ہے۔ ہمارے ہاں جو گلہری پائی جاتی ہے اُس کا رنگ تو سلیٹی ہوتا ہے۔" عکاشہ بولا۔ "ہاں بیٹا۔ مگر ہر گلہری سلیٹی نہیں ہوتی۔ براعظم شمالی امریکا کے گھاس کے میدانوں میں جو گلہری پائی جاتی ہے وہ ہلکے سرخ، سلیٹی یا سفید رنگ کی ہوتی ہے، اس کا جسم موٹے چوہے کے برابر ہوتا ہے، اس کے گال پھولے ہوئے ہوتے ہیں، یہ اپنے گالوں میں خوراک ذخیرہ کرتی ہے۔"

"اور ماموں جان! ہمارے یہاں کی گلہری؟" اس نے پوچھا۔ "ہمارے ہاں کی گلہری وہاں پائی جاتی ہے، جہاں درختوں کی کثرت ہو۔ یہ بہت ہی تیزی سے ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتی ہیں۔ یہ اتنی تیزی سے حرکت کرتی ہیں کہ انہیں شکار کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ یہ ہر وقت دوڑتی رہتی ہیں، جب کھانا پینا ہو، صرف اسی وقت ہی بیٹھتی ہیں۔"

"میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا، اس کے دانت بہت تیز اور مضبوط ہوتے ہیں۔" عکاشہ بولا۔ "ہاں بیٹا، اس کے دانت بہت مضبوط ہوتے ہیں، اگلے دو دانت بڑے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے اگلے دانتوں سے خوراک کو توڑنے اور کترنے کا کام لیتی ہے۔ اس کے خوراک پیسنے کے دانت منہ کے اندر ہوتے ہیں۔ یہ اپنے دانتوں کو لکڑی کے ساتھ رگڑ کر تیز کرتی رہتی ہے۔"

"ماموں جان۔ کیا گلہریاں دنیا میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔"

"آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا کے سوا گلہریاں ہم کو ہر جگہ ملتی ہیں۔ یہ انسانوں سے بہت جلد مانوس ہو جاتی ہیں۔"

"یہ کیا کھاتی ہیں؟" عکاشہ نے سوال کیا۔ "درختوں پر رہنے والی گلہریاں خشک پھل اور پھول کھاتی ہیں۔ گلہریوں کی کچھ قسمیں پرندوں کے انڈے اور بچے بھی کھا لیتی ہیں۔ درختوں کی چھال یہ بہت شوق سے کھاتی ہیں۔ پودوں کی جڑیں اور کیڑے مکوڑے بھی کھا لیتی ہیں۔ یہ موسم سرما میں خوراک جمع کر کے زمین کے اندر یا پرانے درختوں کی کھوہ میں محفوظ کر لیتی ہیں۔"

"اور موسم سرما میں یا جب اُن کو خوراک دستیاب نہ ہو تو وہ یہ محفوظ کی ہوئی خوراک کھاتی ہیں۔" عکاشہ نے ماموں جان کا جملہ مکمل کیا۔ جواب میں ماموں جان ہنسے۔

"عکاشہ بیٹا، یہ خوراک ضرور محفوظ کرتی ہیں۔ مگر ان کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے، اس لیے اکثر اپنی محفوظ کی گئی خوراک بھول جاتی ہیں۔" "پھر۔ پھر وہ کیسے تلاش کرتی ہیں؟" اُس نے پوچھا۔ "سونگھ کر۔" ماموں جان نے مسکرا کر جواب دیا۔ "سونگھ کر۔ وہ کیسے؟"

"ان کی سونگھنے کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ سونگھ کر یہ اپنی محفوظ شدہ تلاش ڈھونڈ لیتی ہیں۔"

"کیا یہ صحیح ہے کہ گلہری کے بچے اندھے ہوتے ہیں؟"

"یہ موسم بہار میں دو سے پانچ انڈے دیتی ہے۔ پیدائش کے وقت اس کے بچے اندھے ہوتے ہیں۔ دو سے تین ہفتوں میں یہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔" ماموں جان نے جواب دیا۔ "ماموں جان! گلہریاں کیا گروہ کی صورت میں رہتی ہیں؟"

"ہاں بیٹا! زمینی گلہری گروہ کی شکل میں رہتی ہے۔ ایک گلہری گروپ لیڈر ہوتی ہے جو ہر وقت چوکنا رہتی ہے۔ ہر طرف نظر رکھتی ہے۔ خطرہ محسوس ہوتے ہی تیز سیٹی نما آواز منہ سے نکالتی ہے، یوں سب گلہریاں خبردار ہو جاتی ہیں اور وہاں سے بھاگ جاتی ہیں۔" ماموں جان بولے۔

"گلہریوں کو کس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے؟"

"لومڑی، عقاب، بلیاں اور کتے وغیرہ گلہریوں کے دشمن ہوتے ہیں۔ حضرتِ انسان بھی ان کا شکار کرتا ہے۔" ماموں جان کی پینٹنگ بھی مکمل ہو چکی تھی اور گفتگو بھی۔ عکاشہ غور سے پینٹنگ دیکھنے لگا اور پینٹنگ کا برش بھی۔ وہ سوچ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے جان دار تخلیق کیے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بے شک وہ بہت قدرت والا ہے۔

آنکھ اوجھل

ڈاکٹر الماس روحی

بول کہانی کے نام سے ڈاکٹر الماس روحی کی سیریز جاری ہے۔ آنکھ او جھل ایک نئ سیریز کی تعارفی کہانی ہے جو بول کہانی سیریز مکمل ہونے کے بعد ضرب المثل کہانی کے نام سے شائع ہو گی ان شاء اللہ

یہ مچھیروں کی بستی تھی، جہاں ماہی گیر صبح سویرے دریا جایا کرتے اور شام تک ڈھیروں مچھلیاں پکڑ کر لاتے۔ وہاں ہنر مند ماہی گیر فرصت کے وقت دریا کے کنارے بیٹھے کشتیاں بھی بناتے۔ یعقوب ماہی گیر کا ایک بیٹا توصیف جو ابھی چھوٹا تھا۔ وہ اپنے میلے کپڑوں اور الجھے بالوں کے ساتھ ننگے پیر اپنے بابا کو کشتیاں بناتے دیکھتا۔ نیند آتی تو گیلی ریت پر سر رکھ کر سو جاتا۔ سوتے ہوئے وہ ایک ہی خواب دیکھتا۔۔ سب سے بڑی کشتی بنانے کا خواب، روز وہ ایک نئے عزم کے ساتھ سو کر اٹھتا تھا۔ ایک روز میں ضرور بڑا ہو جاؤں گا، پھر ایک بڑی سی کشتی بناؤں گا۔ پھر اُس کشتی میں ڈھیر ساری چھوٹی بڑی مچھلیاں پکڑ کر لاؤں گا۔ رات کو جب سب لوگ اکٹھے کھانا کھاتے اور لالٹین کی مدھم روشنی میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔ یہ اس کا پسندیدہ وقت ہوتا۔ ابا دن بھر کی باتیں بتاتے اور وہ اپنے خواب سناتا۔ بہن بھائی اس کے خواب سن کر اس پر ہنستے اور اس کا مذاق اڑاتے۔ لیکن اُسے اس کی پروا نہ تھی۔ گھر میں آئے دن اماں مچھلی کا سالن اور اُبلے چاول پکا کر رکھتی تھیں۔ اُسے مچھلی پسند تھی۔ یوں بھی بچے شوق سے مچھلی کھاتے ہیں لیکن شاید روز مچھلی کھاتے کھاتے اس کا جی اُوب گیا تھا۔ وہ اکثر بھوکا سو جاتا۔ وہ سوچتا بڑے ہو کر جب بہت ساری مچھلیاں پکڑ کر لائے گا۔ انہیں بازار بیچ کر آئے گا۔ اس میں بہت سارے پیسے ملیں گے پھر اماں طرح طرح کے کھانے بنایا کریں گی۔ وہ اسکول بھی جایا کرے گا اور یہ جھونپڑی جس میں ہم سب رہتے ہیں۔ یہاں اپنا پکا گھر بنائے گا۔ یہ خواب دیکھتے ہوئے وہ کروٹ بدلتا اور پھر خواب دیکھتا۔ ہر بقر عید پر چاچا نظیر کی طرح وہ بکرا لائے گا۔ محلے میں ہم گوشت بانٹا کریں گے۔ رات سوتے ہوئے ٹرر ٹرر ٹر کی آواز آتی اور وہ جھینگر کی آواز سے تنگ آکر تکیہ دونوں کانوں پر رکھ لیتا اور جانے کب سو جاتا۔ توصیف صبح سویرے ہی اٹھ جاتا تھا۔

اماں چولہے پر چائے کا پانی رکھتے ہوئے آگ کے لیے لکڑی جلاتی۔ آگ بھڑکانے کے لیے پھونکنی سے پھونکیں مارے جارہی تھی۔ پھونکیں مارنے سے اُنہیں کھانسی ہو جاتی۔ کھو۔۔ کھو کرکے کھانستے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے۔ وہ گلاس بھر کر پانی دیتا۔ ”بستی میں سوائے جھینگروں کی آواز کے اور کیا ہے؟ اماں یہ جھینگر یہاں سے چلے کیوں نہیں جاتے؟۔“ وہ شدید غصے میں کہتا۔ ”بیٹا دریا قریب ہے۔ کچی زمین ہے، جھینگر ایسی جگہ ہی رہتے ہیں۔“ وہ غصے میں چھپ چھپ منہ دھوتا۔ کاش وہ اماں کو لوہے کا چولہا دے سکتا۔ کس مشکل سے اماں کو ہمارے لیے پکانا پڑتا ہے۔ وہ اپنے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرتا۔ پھر ابا کے ساتھ ناشتا کرتا اور سورج چڑھتے ہی دریا چلا جاتا۔ چاچا وغیرہ جو اُس کے ابا سے بہت بڑے تھے۔ سب ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ وہ پہلے سے موجود ہوتے۔ پھر وہ ابا کے ساتھ کشتی میں بیٹھتے، پورے دریا کا دن میں چار بار چکر لگاتے۔ مچھلیاں کبھی کم ملتیں، کبھی زیادہ لیکن اُس روز ابا پر اللہ نے مہربانی کی، چاروں بار ہر چکر میں جال پھینکتے دریا سے بے شمار پلّا مچھلیاں آگئیں۔ بازار میں اس مچھلی کی بڑی مانگ ہے۔ یہ ذائقے دار مچھلی ہے نمکین لذیذ پکتی ہے۔ لوگ اس مچھلی کی بریانی بڑے شوق سے پکاتے ہیں۔ ابا اور چاچا خیرو بہت خوش ہوئے۔ یعقوب یہ سب تیرے محنتی بیٹے کا کمال ہے۔ میں دیکھ رہا تھا ، کشتی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا مانگی تھی۔ وہ ابا کا بڑا چہیتا بیٹا تھا۔ ابا نے اسے پیار کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ توصیف بڑا ہو رہا تھا۔ کشتی بنانے کا ہنر سیکھ چکا تھا لیکن جنگل میں اب سفیدہ، شیشم، کیکر کی لکڑی کم ہوتی جارہی تھی۔ شاید درخت کم ہوتے جارہے تھے۔ اُس روز وہ ابا کے ساتھ بازار گیا۔ شیشم کی لکڑی انہیں بڑی مشکل سے ملی۔ ایک بوڑھے دکان دار سے اُس نے کیلیں خریدیں۔ ”کیا بناؤ گے بیٹا۔“ انہوں نے شفقت سے پوچھا۔ ”میں ایک بہت بڑی کشتی بنانا چاہتا ہوں۔“ ”اچھا، ایک بہت بڑی کشتی، جس کا ذکر قرآن میں آیا، وہ حضرت نوح علیہ السلام نے بنائی تھی، بڑی محنت سے وہ تیار ہوئی تھی۔ تم بھی محنت اور لگن سے بنانا۔ جسے دیکھ کر لوگ حیران ہو جائیں۔“ وہ بہت غور سے بوڑھے چاچا کی باتیں سن رہا تھا۔ ”لو یہ وہ میخیں ہیں، جس سے تمہاری کشتی بہت مضبوط بنے گی۔ دریا کی تند و تیز موجوں کا آسانی سے سامنا کرے گی۔“ وہ بہت خوش ہوا۔

دوسرے دن ابا کے ساتھ دریا کنارے گیا۔ 6 ماہی گیر کاری گر ساتھ لگائے اور یوں شیشم کی لکڑی کے بڑے بڑے تختے کاٹے گئے۔ تختوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے لیے اس نے چچا خیرو کے پاس قریب ہی کیلیں رکھی تھیں۔ کچھ دیر بعد دیکھا کہ وہ کیلیں وہاں نہیں تھیں۔ دوپہر سے شام ہو گئی لیکن کیلیں نہ ملیں۔ لاتعداد چھوٹے بڑے تختے دریا کے کنارے پڑے تھے۔ ہر تختہ اٹھا کر دیکھا گیا لیکن وہ کہیں نہیں دکھائی دیں۔ آخر چچا خیرو نے کہا ”کیلیں ”آنکھ او جھل پہاڑ او جھل“ ہو گئی ہیں۔ تمہیں دوسری کیلیں لانا پڑیں گی۔“ توصیف پریشان ہو گیا۔ ابا کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔ ابا کے بھائی چچا نظیر سے اُدھار مانگتے ہوئے اسے شرم آرہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اللہ سے مدد مانگنے لگا۔ رات جب لیٹا تو اُداس تھا۔ ایک خواب دیکھا تھا بڑی سی کشتی بنانے کا۔ اب کون پیسے دے گا۔ ماہی گیر برکت لنگڑا وہی سب کو ادھار دیتا تھا۔ لیکن ابا سے تو وہ جلتا ہے۔ جانے کیوں ابا سے اُسے خاص بیر تھا۔ وہ توصیف کو

اہلیہ محمد فیصل

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر مرغی، اور خرگوش کی قربانی کیوں نہیں کی جا سکتی؟" احمد نے اپنے دوستوں کے سامنے ایک سوال رکھا۔

ہاں کاش! ایسا ہوتا تو ہم بھی ہر سال چار مرغیاں اور دو خرگوش تو ضرور ذبح کرتے۔ علی خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولا۔

چھوڑو! میاں شیخ چلی! پھر یہ مرغیاں اور خرگوش بھی سینکڑوں کی بجائے ہزاروں میں ملتے، ہم تب بھی یوں ہی امیروں کے منہ تکتے اور ان کی آسمان سے باتیں کرتی قیمتیں سنتے بس! نعمان تلخی سے بولا۔ ارسل اپنے دوستوں کی گفتگو سنتا رہا مگر کچھ نہ بولا، کیوں کہ اسے ان سب میں حصہ لینے سے پہلے بھائی جان سے اس کی شرعی حیثیت پوچھنی تھی۔

◆◆◆

"السلام علیکم بھائی جان کیسے ہیں آپ؟ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں اگر آپ فارغ ہوں تو!" "ہاں ارسل کہو کیا بات ہے؟"

"بھائی! میرے چند دوست آج کل کچھ کہہ رہے تھے عید الاضحی پر قربانی کے بارے میں۔"

"کیا کہہ رہے تھے؟" "بھائی میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ گائے، بکرے وغیرہ کی قربانی کی طرح چھوٹے جانور خرگوش، مرغی وغیرہ کی قربانی بھی ہونی چاہیے! تاکہ کم حیثیت لوگ بھی قربانی والا عمل کر کے ثواب حاصل کر سکیں۔ ارسل معصومیت سے بولا۔

بھائی جان، ارسل کی باتوں پر زیر لب مسکراتے ہوئے بولے۔

"ارسل میاں! یہ شریعت ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو اصول بنائے ہیں ہمیں ان کے مطابق کر چلنا ہے۔" "مگر بھائی جان لوگ پھر کتنے بڑے بڑے جانور لا کر دکھاوا بھی تو کرتے ہیں (اور ہمارا دل جلاتے ہیں) ارسل نے یہ جملہ آہستہ سے کہا۔

بھائی جان ایک بار پھر مسکرائے۔ بالکل! دکھاوا اور ریا تو اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے، یہ تو ٹھیک عمل نہیں۔ مگر ارسل میاں! یہ بھی تو دیکھیں جو صاحب استطاعت نہ ہو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ لہذا ہمیں اس چیز کے لیے اتنی مشقت نہیں اٹھانی چاہیے جس سے ہمارے اللہ نے ہمیں رخصت دی ہے۔ دوسری بات یہ کہ قربانی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں چند جانوروں کے نام بتادیے ہیں کہ ان کی ہی قربانی کی جائے ان کے علاوہ نہیں"۔ جیسے: گائے، بیل بھینس، بکرا، بکری، دنبہ، مینڈھا، اونٹ، اور اونٹنی وغیرہ۔

مرغی، خرگوش، کبوتر اور بہت سے ایسے پرندے اور جانور بے شک ہمارے لیے حلال ہیں اور ہم انہیں ذبح کر کے کھا بھی سکتے ہیں مگر وہ قربانی کے لیے موزوں نہیں ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کا نام بھی ضرور فرماتے۔" بھائی جان نے وضاحت سے سمجھایا۔

ارسل ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے انہماک سے بھائی جان کی بات سن رہا تھا۔ اسے ساری بات سمجھ میں آگئی کہ "اللہ تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کی بجائے، سر جھکا کر ماننے میں ہی اللہ کی رضا پوشیدہ ہے" اور اب یہی بات اسے اپنے دوستوں کو بھی سمجھانی تھی۔

شکریہ بھائی جان آپ نے میری ساری الجھن دور کر دی۔

بھائی جان نے ارسل کی پیٹھ تھپک کر اسے پیار دیا۔

بھی گھورتا رہتا تھا۔ چاچا خیرو نے اُسے بتایا تھا۔ وہ شروع سے بد ہے۔ بری سوچ نے اُسے کہیں کا نہیں رکھا۔ کمزوروں کو دباتا ہے۔ ظلم کرتا ہے۔ اللہ نے اُسے بڑی سزا دی۔ ایک مرتبہ دریا کے مگرمچھ نے اس کی ٹانگ بھی چبالی تھی، مگر اُس نے کبھی اس سے کچھ سبق نہ سیکھا۔ اُسے شک تھا چاچا خیرو سے وہ اس روز ملنے آیا تھا۔ کیلیں اُسی نے چرالی تھیں۔ اسی لیے تو ابا اور اُسے پریشان دیکھ کر وہ خوش ہو رہا تھا۔ دوسرے روز چاچا خیرو شرمندہ اپنی جمع پونجی لے کر اس کے پاس آیا اور بولا۔ "بیٹا! میں تمہاری کیلوں کی حفاظت نہ کرسکا مجھے معاف کردو یہ کچھ پیسے میرے پاس ہیں۔ تم پھر سے کیلیں لے آؤ" وہ جانتا تھا چاچا خیرو خود ایک غریب مچھیرا ہے۔ یہ پیسے اُس نے کتنی مشکل سے جمع کیے ہوں گے۔ "نہیں چاچا یہ رہنے دو، میں اپنے اللہ سے مدد مانگ رہا ہوں، مجھے یقین ہے کہ آج ہماری ضرور غیبی مدد ہو گی۔" وہ جال لے کر چاچا خیرو اور اپنے ابا کے ساتھ دریا پہنچا۔ بیچ دریا میں جب اُس نے جال ڈالا۔ جال بہت بھاری ہو گیا کھینچا نہیں جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے تینوں نے جال باہر نکالا جو کالا پاپلیٹ اور پلّا مچھلی سے بھرا ہوا تھا۔ شام تک ان کی کشتی مچھلی کی ان دونوں قسموں سے بھر چکی تھی۔ دوسرے روز ہاتھوں ہاتھ ساری مچھلیاں بازار والوں نے خرید لیں۔ آج وہ اماں کے لیے لوہے کا نیا چولہا بھی لے آیا اور کیلیں بھی خرید لایا۔ اُسے بوڑھے دکان دار سے کیلیں لیتے ہوئے بہت دُعائیں ملیں۔ "بیٹا محنت کرو اور ہر نقصان پر صبر اور ہر نعمت پر شکر کرو، پھر اللہ کی مہربانی دیکھنا۔" "آج اُسے مچھلی کا سالن اور اماں کے ابالے ہوئے چاول بہت مزے دار لگ رہے تھے۔ محنت کا ایک اور دن ختم ہوا۔" "محنت میں عظمت ہے ابا۔" اُس نے بہت سارے پیسے ابا کے پاس رکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹا تم محنت کی چمکیلی ڈگر پر چل رہے ہو، ایک روز ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔" چند ہی دنوں میں ایک بڑی کشتی تیار ہوئی۔ یہ دریا کی سب سے بڑی کشتی تھی، جس کے چار حصّے تھے۔ دیکھنے والے حیران تھے۔ کشتی شیشم کی مضبوط لکڑی سے بنی تھی۔ یہ واقعی تند و تیز موجوں کا سامنا آسانی سے کر سکتی تھیں۔ یوم آزادی کا موقع تھا۔ 14 اگست کو دور دور سے دیکھنے لوگ اس کشتی کو آ رہے تھے۔ اس نے پاکستان کا جھنڈا لگا رکھا تھا۔ کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اس کا کرایہ لوگ شوق سے دے رہے تھے۔ پیسوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ اللہ نے اس کشتی میں بڑی برکت دی تھی۔ دریا میں پھینکتے ہی جال پلّا مچھلی سے بھر جاتا تھا۔ ابا اور چاچا خیرو بہت خوش تھے۔ توصیف کی جھونپڑی پکے مکان میں بدل چکی تھی۔ اس کے بہن بھائی اور وہ اب اسکول جانے لگے تھے۔ گھر کے پکے فرش کی وجہ سے جھینگر کی آواز بھی نہیں آتی تھی اور وہ رات کو میٹھی نیند میں آرام کرتا تھا۔ اس کا ابا یعقوب علاقے کا بڑا آدمی بن چکا تھا۔ ہر بقر عید پر قربانی بھی ہوتی۔ اب وہ خوشی خوشی غریبوں میں گوشت تقسیم کرتے تھے۔

مشکل الفاظ:

آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل: جو چیز نظر کے سامنے نہ ہو گویا وہ پہاڑ کے اوٹ میں ہوتی ہے۔

بستی۔ رہائشی چھوٹا سا علاقہ
ماہی گیر۔ مچھیرے
عزم۔ ارادہ
محاورہ۔ ہاتھوں ہاتھ لینا۔ فوراً
ہنر مند۔ کسی کام کا جاننے والا/ماہر
میخیں۔ کیلیں
غیبی۔ اللہ کی طرف سے
بیر۔ دشمنی
جمع پونجی۔ رقم
چمکیلی ڈگر۔ روشن راستہ

جھونپڑی۔ وہ گھر جس کی چھت اور دیوار کپڑے اور چٹائی سے بنی ہوں۔
لالٹین۔ مٹی کے تیل سے جلنے والی روشنی
جھونپڑی۔ وہ گھر جس کی چھت اور دیوار کپڑے اور چٹائی سے بنی ہوں۔
پھونکنی۔ لوہے کا وہ آلہ جس میں پھونکنے سے آگ بھڑکے۔
شیشم، کیکر۔ درختوں کی قسمیں
سفیدہ، پلّا۔ کالا پاپلیٹ۔ مچھلی کی قسمیں۔
محاورہ۔ تانتا بندھنا۔ ہجوم لگنا

میں نے لاک ڈاؤن کیسے گزارا

محمد فاروق ملک

میرا نام فاروق ہے۔ میری عمر دس سال ہے۔ایک دن بابا گھر آئے تو گھبرائے ہوئے تھے۔ میں نے بابا کو پانی کا گلاس دیا اور پوچھا بابا کیا ہوا ہے ؟ انہوں نے بتایا کہ "ایک نئی بیماری کورونا بہت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کا آغاز چین کے شہر ووھان سے ہوا اور آہستہ آہستہ اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ جس کی وجہ سے ساری دنیا لاک ڈاؤن کر رہی ہے۔" لاک ڈاؤن میں سب لوگ گھر میں بند ہو جاتے ہیں اور لوگوں سے ملنا جلنا ختم کر دیتے ہیں۔ ہمارے ملک پاکستان میں بھی پچھلے کئی ہفتوں سے لاک ڈاؤن چل رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ لاک ڈاؤن کو کیسے گزارا جائے۔ میں جو سوچا اور جو کر سکا، اس میں آپ سب دوستوں کو شریک کرنا چاہتا ہوں۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ کس طرح گھر پر رہ کر اس وقت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنایا جا سکتا ہے۔

ماما بابا اور ہم سب بچے گھر پر رہ رہے ہیں۔ ہمارے اسکولوں میں بھی چھٹیاں ہو گئی ہیں تا کہ ہم چھوٹے بچے اس بیماری کا شکار نہ ہوں۔لاک ڈاؤن کے دوران ماما بابا نے ہمارے لیے بہت سے پروگرام ترتیب دیے۔ بابا نے ہمیں یوٹیوب کڈز پر معلوماتی پروگرام لگا کر دیے، جس سے مجھے میری پڑھائی میں بہت فائدہ ہوا۔ماما نے مجھے لاک ڈاؤن میں گھر والوں کے ساتھ مل کر کام کرنا سکھایا۔ماما نے مجھے سکھایا کہ کس طرح گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹایا جائے۔ مل کر کام کرنے سے کام بھی جلدی ختم ہوتے ہیں اور نئی نئی باتیں سیکھنے کا موقع بھی ملتا ہے۔

میں نے یہ سیکھا کہ صبح اٹھنے کے بعد اپنا بستر کس طرح تہ کر کے رکھنا ہے اور ہاتھ منہ دھو کر اللہ کے نام کے ساتھ دن کا آغاز کرنا ہے۔ بابا نے مجھے سوتے وقت اور صبح اٹھنے کی دعائیں بھی سکھائی ہیں۔ میں نے ماما بابا سے یہ بھی سیکھا کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ اچھی طرح دھونے ہیں اور اپنے برتن سمیٹ کر کچن میں جا کر رکھنے ہیں۔لاک ڈاؤن میں ہمارے اسکول نے گھر پر ہی آن لائن کلاسوں کا آغاز کیا تا کہ ہماری پڑھائی متاثر نہ ہو۔اور ہم کمپیوٹر پر اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔آن لائن کام کرنے کی وجہ سے مجھے جلدی جلدی اپنا ہوم ورک مکمل کرنا بھی آگیا ہے۔اب میں اپنا ہوم ورک مکمل کر کے اس کی تصویر اپنی ٹیچر کو بھیج دیتا ہوں اور وہ مجھے شاباش بھی دیتی ہیں۔آن لائن پڑھائی کی وجہ سے میں کم وقت میں زیادہ کام کر لیتا ہوں۔اب مجھے ہوم ورک کرنے میں بہت آسانی ہو گئی ہے۔ مجھے اگر کوئی سوال سمجھ نہیں آتا تو میری ٹیچر مجھے آن لائن ہی اس کا جواب سمجھا دیتی ہیں۔

کورونا بیماری بہت پھیل رہی ہے، اس لیے ہمارے اسکول والوں نے ہماری چھٹیاں بڑھا دی ہیں۔ان چھٹیوں کی وجہ سے مجھے اپنے ماما بابا کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع مل رہا ہے۔ میں نے یہ بھی سیکھا کہ لاک ڈاؤن میں سب بہن بھائی اور ماما بابا ایک دوسرے کے ساتھ گھر کے کام کرتے ہیں۔ میں نے گھر میں رہتے ہوئے گھر کی اشیاء سے بہت سی چیزیں بنانا بھی سیکھی ہیں۔مجھے بابا نے گھر میں پودے اگانا، انہیں گوڈی کرنا اور انہیں پانی دینا بھی سکھایا ہے۔ گوڈی کرنے کا مطلب پودے کی فالتو شاخوں کو کاٹنا اور اس کی مٹی کو کھود کر نرم کرنا ہے تا کہ پودے خوب صورت نظر آئیں، ان کو زیادہ پانی ملے اور وہ زیادہ بہتر انداز سے سانس لے سکیں۔ میں اب اپنے گھر میں پودوں کو خود پانی دیتا ہوں۔ میں نے دو گملوں میں کچھ بیج ڈالے تھے۔اب وہاں سے ننھے منے پودے نکل رہے ہیں۔ میں جب ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے بہت اچھا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔لاک ڈاؤن کی چھٹیوں میں ہی روزوں کا مہینا آگیا تھا۔ روزوں کے مہینے کو رمضان المبارک کہتے ہیں۔ مجھے سحری کے وقت ماما بابا کے ساتھ سحری کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ مجھے بابا نے بتایا تھا کہ سحری کرنے والے لوگوں سے اللہ بہت خوش ہوتے ہیں اور اسے انعام بھی دیتے ہیں۔

شام کو ہم سب لوگ مل کر دستر خوان لگاتے اور اس پر بیٹھ کر روزہ افطار کرتے تھے۔ میں نے بھی روزے رکھے تھے۔ میری ماما کہتی ہیں بچوں کا روزہ ننھا منا اور پیارا ہوتا ہے۔ میں افطاری کے کاموں میں ماما بابا کا ساتھ دیتا تھا۔ میں کھجور دھو کر دستر خوان پر رکھتا۔جب اذان ہوتی تو ماما بابا کو کھجور اٹھا کر دیتا تھا۔ میں نے رمضان کے مہینے میں سپارہ بھی پڑھا تھا۔جب میں نے اپنا سپارہ مکمل پڑھا، اس روز ماما بابا بہت خوش ہوئے تھے اور انہوں نے اسی خوشی میں سویٹ ڈش بھی بنائی تھی۔ میں نے ماما بابا کے ساتھ مل کر مالی بابا کے بچوں کو کھانے کا سامان بھی دیا تھا تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ روزے رکھ سکیں۔

اور ہاں، مجھے یاد آیا، میں نے لاک ڈاؤن میں یہ بھی سیکھا کہ دن میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد صابن سے ہاتھ دھونے ہیں اور ہاتھوں پر صابن لگاتے ہوئے ٹونٹی بند رکھنی ہے تا کہ پانی ضائع نہ ہو۔ پانی اللہ کا بہت بڑا انعام اور نعمت ہے۔ ہمیں پانی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔اور مجھے جب کھانسی یا چھینک آتی تو میں ٹشو سے صاف کرنے کے بعد اسے فوراً ضائع کر دیتا تا کہ جراثیم نہ پھیل سکیں۔ ہماری ٹیچر بتا رہی تھیں کہ کورونا کھانسی اور چھینک کے جراثیم سے پھیلتا ہے اور ہمیں اسے پھیلنے سے روکنا ہے۔

مجھے ماما بابا نے بتایا تھا کہ روزے جب ختم ہونے کے اگلے روز عید کا دن ہوتا ہے۔اسے عید الفطر یا چھوٹی عید کہتے ہیں۔ میں اسے میٹھی عید کہتا ہوں کیوں کہ اس عید پر ماما گھر میں بہت سی میٹھی چیزیں بناتی ہیں۔ میں نے ماما بابا کو کہا تھا کہ اس عید پر ہم نئے کپڑے نہیں بناتے، بلکہ ہم ان پیسوں سے ان بچوں کی مدد کریں گے جو عید نہیں منا سکتے۔ماما بابا میری اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ ہم نے مل کر بہت سارے بچوں کو عید پر کھانے کا سامان لے کر دیا اور انہیں نئے کپڑے بھی دیے۔ ہم نے یہ نئے کپڑے گھر بیٹھ کر آرڈر کیے تھے۔اس طرح ہم نے کورونا کو پھیلنے سے روکنے میں اپنا کردار بھی ادا کیا۔ عید والے دن مجھے ماما نے صبح جلدی اٹھا دیا تھا۔ میں منہ پر ماسک لگا کر بابا کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے گیا تھا۔ ہم اپنی جائے نماز ساتھ لے کر گئے تھے اور مسجد میں باقی لوگوں کی طرح فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔جب ہم عید کی نماز پڑھ کر آئے تو ماما نے ہمارے لیے سویاں بنائی ہوئی تھیں اور بھی بہت ساری چیزیں تھیں۔ مگر مجھے ان کے نام نہیں آتے کیوں کے ان کے نام بہت مشکل تھے۔ماما بابا نے مجھے عیدی بھی دی، جو میں نے اپنے منی بکس میں رکھ دی ہے۔ عید والے دن میرے کزن مجھے عید ملنے گھر بھی آئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ میرے لیے بہت سارے گفٹ بھی لے کر آئے تھے۔ میں نے بھی انہیں گفٹ دیے۔

میں نے اس لاک ڈاؤن میں یہ سیکھا کہ خود کو پاک صاف رکھنا ہے۔اور وقفے وقفے سے ہاتھ دھونے ہیں۔ اور پانی ضائع نہیں کرنا۔ اور کم وقت میں زیادہ کام کرنا ہے تا کہ وقت بھی ضائع نہ ہو۔ میں نے ماما بابا کو کہا کہ جب ہم وقفے وقفے سے ہاتھ دھونے جاتے ہیں تو اگر ہم اس کے ساتھ وضو بھی کر لیں تو نہ صرف ہمارے ہاتھ، منہ، بازو اور پاؤں صاف ہو جائیں گے بلکہ ہمیں ثواب بھی ملے گا۔ ماما بابا نے میری اس تجویز پر مجھے شاباش دی۔لاک ڈاؤن کے دوران میں نے یہ بھی سیکھا کہ ہمیں مشکل وقت میں دوسرے لوگوں کے کام آنا چاہیے اور انہیں بھی اپنی خوشیوں میں شامل کرنا چاہیے۔ میں نے اس لاک ڈاؤن میں یہ سیکھا کہ بہادر بچے مشکل وقت میں گھبراتے نہیں ہیں۔ بلکہ بہادر بچے مشکل وقت کو آسانی میں تبدیل کر لیتے ہیں۔

چڑیا کی مدد

کرن سلطان ڈھلوں

ہادی ایک گول مٹول سا بچہ تھا، جسے سب "گولو مولو" کہتے تھے۔ گولو مولو اپنی پھوپھو کے بیٹے لانی کے ساتھ کھیلتا اور شرارتیں کرتا رہتا تھا۔ لانی ایک سلجھا ہوا پیارا بچہ تھا۔ شرارتیں وہ بھی کرتا تھا لیکن وہ ایسی شرارتیں نہیں کرتا تھا، جس سے کسی جان دار کو تکلیف پہنچے۔ جب کہ گولو مولو ہادی ہر وقت شرارتیں کرتا رہتا تھا، کبھی وہ پانی کے نل کھول کر پانی بہا دیتا، کبھی طوطے کے پنجرے میں کیاری سے مٹی اٹھا کر ڈال دیتا، کبھی اپنی پھوپھو کی کتابیں پھاڑ دیتا۔ گولو مولو کو سب سمجھاتے تھے کہ ایسی شرارتیں نہیں کرتے، جس سے کسی کا نقصان ہو۔ گولو مولو ایک کان سے سن کر دوسرے نکال دیتا۔ اس پہ نصیحت اثر ہی نہیں کرتی تھی۔

گولو مولو کے آنگن میں انار کا درخت تھا، جس پہ ایک بھوری چڑیا رس بھرے انار کے دانے کھانے کے لیے آتی تھی۔ وہ جب انار کے درخت پہ آتی، گولو مولو کا کزن لانی جو اپنی نانو سے ملنے روز آتا تھا، اپنے بسکٹ کے پیکٹ میں سے بسکٹ نکال کر صحن میں ڈال دیتا۔ ساتھ ہی وہ ایک چھوٹی کٹوری میں پانی بھر کر رکھ دیتا اور خود کمرے کی کھڑکی میں بیٹھ جاتا۔ چڑیا ڈرتے ڈرتے نیچے آتی، بسکٹ کا ٹکڑا چونچ میں دباتی اور دائیں بائیں دیکھتے بھاگ جاتی۔ انار کے درخت کی شاخ پہ بیٹھ کر چڑیا بسکٹ کھاتی اور پھر دوبارہ نیچے آکر پانی پیتی۔ جب چڑیا کا پیٹ بھر جاتا وہ کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھ کر زور زور سے پر ہلا کر لانی کا شکریہ ادا کرتی اور اڑ جاتی۔ لانی دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا۔

لیکن گولو مولو اس چڑیا کو بہت تنگ کرتا تھا۔ جس دن لانی نانو گھر نہیں آتا تھا، اس دن چڑیا جب بھی بسکٹ کی تلاش میں گولو مولو کے آنگن میں اترتی گولو مولو اس کے پیچھے چھڑی لے کر دوڑنے لگتا اور اسے بے حد تنگ کرتا۔ چڑیا آنکھوں میں آنسو لیے وہاں سے چلی جاتی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ گولو مولو اپنی پھوپھو یعنی لانی کے گھر گیا۔ وہاں وہ خوب کھیلا، موج مستی کی۔ اچانک ہی آسمان پہ کالے بادل چھانے لگے تو لانی کی مما نے لانی سے کہا: "گولو مولو کو نانو گھر چھوڑ آؤ۔" لانی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نانو گھر چھوڑنے چل پڑا۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ کالے بادلوں سے تیز بارش برسنے لگی۔ گولو مولو اور لانی دونوں بارش میں بھیگ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد تیز بارش کے ساتھ، بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی۔ ساتھ ہی اولے بھی پڑنے لگے۔ سڑک پہ کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں بھاگ کر ایک گھر کے سامنے لگے درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ ان کو بہت ڈر لگ رہا تھا۔ کیوں کہ موسم اب طوفانی شکل اختیار کر چکا تھا۔

اچانک درخت کی ایک شاخ سے "چوں چوں چوں" کی آواز آئی تو لانی نے سر اٹھا کر دیکھا بھوری چڑیا لانی کو دیکھتے خوشی سے اپنے پنکھ ہلا رہی تھی۔ لانی چڑیا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ چڑیا کو اس نے اپنا مسئلہ بتایا تو چڑیا نے اسے تسلی دیتے کہا: "پریشان نہ ہو، جو بسکٹ وہ چڑیا کو کھلاتا رہا ہے اس سے چڑیا کے پر اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ وہ ان میں چھپا کر ان کو گھر تک چھوڑ کر آ سکتی ہے۔" یہ بات سن کر لانی بہت خوش ہوا۔ چڑیا نے اپنا پنکھ کھولا تو وہ ایک چھتری کی طرح بڑا بن گیا۔ چڑیا نے گولو مولو کی طرف دیکھتے کہا۔ "اس گندے بچے کو لے کر نہیں جاؤں گی یہ اس طوفانی بارش میں یہاں ہی رہے گا کیوں کہ جو بچے کسی کو تنگ کرتے ہیں، طوفانی بارشوں میں ان کی مدد کوئی نہیں کرتا۔"

گولو مولو نے یہ سنا تو اس نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ چڑیا نے لانی کو چلنے کا اشارہ کیا تو لانی نے چڑیا سے کہا: "پیاری چڑیا! ایک بار گولو مولو کو معاف کر دو۔ یہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا، مما نے کہا تھا گولو مولو کو حفاظت کے ساتھ نانو گھر چھوڑ کر آؤ، اگر گولو مولو ادھر رہ گیا تو میری مما ناراض ہوں گی۔" بھوری چڑیا نے لانی کی بات مان لی اور اپنا دوسرا پنکھ بھی کھول دیا۔

ایک پنکھ کے نیچے لانی اور دوسرے کے نیچے گولو مولو ہادی کو چھپائے طوفانی بارش میں بھوری چڑیا ان کو گھر تک لائی۔ جب وہ گھر کے گیٹ کے پاس پہنچے تو گولو مولو ہادی نے دونوں کان پکڑ کر چڑیا سے معافی مانگی۔ چڑیا نے خوش ہو کر گولو مولو کو معاف کر دیا اور واپس چلی گئی۔ کیوں کہ اسے اور بھی اچھے بچوں کو اپنے پروں میں چھپا کر گھر پہنچانا تھا، جو دوسروں کی مدد کرتے تھے۔ گھر آکر گولو مولو نے سوچا: "اگر آج بھوری چڑیا نہ ہوتی تو اتنی خوفناک بارش میں ان کی مدد کون کرتا؟" اسے اپنے رویے پہ بہت افسوس ہوا۔ اس نے عہد کر لیا اب وہ کسی بھی جانور یا پرندے کو تنگ نہیں کرے گا، بلکہ ان کی خدمت کرے گا۔ کیوں کہ اسے معلوم ہو گیا تھا، جب ہم پرندوں، جانوروں کی مدد کرتے ہیں تو وہ بھی مشکل وقت میں ان کی مدد کرنے ضرور آتے ہیں۔ اگلے دن گولو مولو نے بہت سے بسکٹ کے ٹکڑے آنگن میں رکھے، کٹوری میں تازہ پانی رکھا۔ بھوری چڑیا آنگن میں اتری، اب وہ ڈری ہوئی نہیں تھی۔ اس نے اطمینان سے سارے بسکٹ کھائے، تازہ پانی پیا، کھڑکی میں بیٹھے گولو مولو کو دیکھ کر پنکھ ہلائے اور پھر وہ اڑ گئی۔ گولو مولو کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے زور زور سے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ اسے آج چڑیا کی خدمت کر کے بہت خوشی ہوئی تھی۔

بچوں کے فن پارے

خزیمه قدیر ہفتم آر ـ ج میموریل اسکول کراچی

ام ہانی ، 7 سال، مارننگ پینا اکیڈمی کراچی

محمد عکاشه پانچویں کلاس کراچی

امیمه عباسی ،پنجم نجم دہلی گرلز اسکول کراچی

محمدعویمر علی کلاس پریپ ٹوکراچی

نرمین شہزادی مدرسه عربیه شریفة النساء ابدر

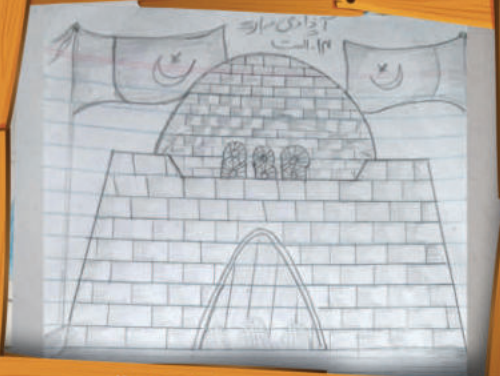

حافظ محمد ابو بکربن کامران ۱۱ سال

ماہنامہ فہمِ دین
اگست 2020ء کے سوالات

سوال نمبر 1- رفیع کی نعمان چچا سے کس بات پر لڑائی ہوئی؟

سوال نمبر 2- داداجان نے نومی کو کیا تحفہ دیا؟

سوال نمبر 3- پاکستان کا قومی پرندہ کون سا ہے؟

سوال نمبر 4- صہیب کیوں پریشان تھا؟

سوال 5- حضرت ابوالدرداکس بات پر سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتے تھے؟

پیارے بچو!

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ پاکستان 14 اگست کو آزاد ہوا تھا، ہمارے بزرگوں نے اس آزادی کے لیے نہ جانے کتنی قربانیاں دیں۔ ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں قربان ہوئیں۔۔۔اور یہ قربانی صرف الگ وطن کے لیے نہیں بلکہ اس لیے تھیں کہ وہاں اللہ کا دین نافذ ہو اور سب لوگ اللہ کی مان کر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بچے بڑے کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ، اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی قربانیوں کی لاج رکھیں، اپنے وطن کی خدمت کریں اور اپنے ملک کو سنواریں۔۔۔

14 اگست آتے ہی ہر طرف جھنڈیوں اور جھنڈوں کی کی بہار آجاتی ہے۔ یہ بہت اچھا جذبہ ہے لگانی چاہییں ۔اس طرح ہم اپنے وطن سے محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اپنے وطن سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے پرچم کا دل سے احترام کریں۔۔۔۔ یہ پرچم بلندیوں پر سجانے اور فضاؤں میں لہرانے کے لیے ہے۔۔۔ جب کہ ہماری بے توجہی سے ہزاروں جھنڈیاں راستے میں پڑی ہوتی ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے

پیارے بچوں!

کہیں بھی جھنڈی زمین پر نظر آئے تو اسے فوراً اٹھانا چاہیے اور پرچم کی حفاظت کرنی چاہیے۔۔۔ کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ۔۔۔

اپریل 2020ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: علامہ اقبال

جواب نمبر 2: عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

جواب نمبر 3: دونوں ہاتھوں سے

جواب نمبر 4: دینو نے اس کا خیال رکھنا چھوڑ دیا تھا

جواب نمبر 5: فولڈنگ سیڑھی کے ذریعے

اپریل 2020ء کے سوالات کا درست جواب دے کر انعام جیتنے والے تین خوش نصیبوں کے نام

- منہاج برہان میر پور خاص
- نعیم اشرف ملتان
- سمیع الرحمٰن اٹک

ان تینوں میں سے ہر ایک کو 300 روپے نقد اور ماہ نامہ فہم دین مبارک ہو

پیارے بچو!

- انعامی سوالات کے جوابات یا اپنے فن پارے آپ ڈاک سے بھی بھیج سکتے ہیں، ای میل بھی کر سکتے ہیں اور دیے گئے نمبر پر وٹس ایپ بھی کر سکتے ہیں۔
- سوالات کے جوابات ہوں، یا پیارا سا فن پارہ اس پر اپنا نام، عمر، پتا، کلاس، اسکول / مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے فون نمبر ضرور لکھیں۔
- اس صفحے پر پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات تین شمارے چھوڑ کر چوتھے شمارے میں شائع کیے جاتے ہیں۔

وٹس ایپ کے لیے نمبر نوٹ کر لیں: 0316 2339088

میرے مالک مجھے حوصلہ دیجیے

محمد ضیاء اللہ محسنؔ

ظلم کی آگ کو اب بُجھا دیجیے
پھر سے اُجڑے چمن کو بسا دیجیے
صبر کا ایک پیالہ پلا دیجیے
اپنی رحمت کا دریا بہا دیجیے

ایک ننھا سا معصوم دل ہے مرا
میرے مالک مجھے حوصلہ دیجیے

میں فلسطین، کشمیر، شیشان ہوں
میں حلب اور برما کا انسان ہوں
جُرم میرا یہی، میں مسلمان ہوں
اے خدا! میں بہت ہی پریشان ہوں

اپنی رحمت میں مجھ کو پناہ دیجیے
میرے مالک مجھے حوصلہ دیجیے

میرے بھائی، بہن دربدر، ہیں کہاں؟
میرے ماں باپ اور میرا گھر، ہیں کہاں؟
وہ کتابوں کی خوشبو، مگر ہے کہاں؟
اور کھلونے مرے کچھ خبر، ہیں کہاں؟

اے الٰہی! مجھے سب دِکھا دیجیے
میرے مالک مجھے حوصلہ دیجیے

امن و امید کی اک سحر چاہیے
مجھ کو میرا وطن، میرا گھر چاہیے
اور پھولوں بھرا اک نگر چاہیے
میرے دُشمن کو بس، میرا سر چاہیے

اب اندھیروں میں کوئی ضیاؔ دیجیے
میرے مالک مجھے حوصلہ دیجیے

مٹادے کرونا کو اے ذوالجلال

ارسلان اللہ خان

کرونا کا چھایا ہے ایسا وبال
برا جس نے کر ڈالا دنیا کا حال
پریشان ہے ساری انسانیت
خداوند اب تو ہی ہم کو سنبھال
کرونا کے آگے ہے بے بس بشر
دکھایا ہے اللہ نے اپنا جلال
جو تریاق رکھتے تھے ہر مرض کا
خدا نے دیا ان کو مشکل میں ڈال
بہت ہی بری ہے یہ ظالم وبا
خدایا تو ہم سب کو اس سے نکال
انہیں غیب سے تو خدا رزق دے
نہیں جن کا کوئی بھی پرسانِ حال
کرو ساری انسانیت کی مدد
اسی میں ہے انسانیت کا کمال
کرونا سے بچ جائے ہر ایک فرد
رہیں سب کے محفوظ جان اور مال
کریں آؤ اللہ سے ہم رجوع
کہ بن جائیں ہم آج سے خوش خصال
خدارا رہو ان دنوں گھر میں تم
ضروری ہے اس بات کا احتمال
جو مفلس پڑوسی یا احباب ہوں
رکھو دوستو ! ان کا بے حد خیال
اگر تم کو نزلے کی ہے کیفیت
کرو ماسک کا لازمی استعمال
کرو بیس سیکنڈ تلک ہینڈ واش
صفائی کے ذریعے کرو دیکھ بھال
کرونا کو مت لو ہنسی کود میں
مبادہ بنالے نہ یہ یرغمال
مساجد ہیں ویران ، خالی حرم
نہیں ملتی ایسی کوئی بھی مثال
ابھی تک نہ سدھرا اگر جو کوئی
تو لازم ہے ہوگا وہ روبہ زوال
محمد کے صدقے ہمیں بخش دے
گناہوں میں ڈوبا ہے ایک ایک بال
یہی ارسلان کی دعا ہے کہ اب
مٹادے کرونا کو اے ذوالجلال

ابا حضور

فرح مصباح

پائی جو شفقت آغوش پدر سے
نہیں اس کا بدل کسی اور در سے
جو بچپن سے تو ہمارے کماتا گیا
ساری پونجی تو ہم پر لٹاتا گیا
پسینہ تو محنت سے بہاتا گیا
ٹھوکریں در در کی تو کھاتا گیا
دکھ زمانے کے تو اٹھاتا گیا
اشک آنکھوں میں اپنی تو چھپاتا گیا
میں کیسے سراہوں آج اس کو الفاظ سے
پائی جو شفقت میں نے آغوش پدر سے
نہیں اس کا بدل کسی اور در سے
حسن اخلاق تو ہم کو سکھاتا گیا
عاجزی ہستی میں ہماری سماتا گیا
رموز زمانے کے ہم کو سکھاتا گیا
کانٹے راہ کے تو ہمارے ہٹاتا گیا
کوئی بات نہیں کہہ کر ای کو سمجھاتا گیا
وقت بے وقت نخرے ہمارے اٹھاتا گیا
میں کیسے سرا ہوں آج اس کو الفاظ سے
پائی جو شفقت میں نے آغوش پدر سے
نہیں اس کا بدل کسی اور در سے
انتظار ہر شام میں تیرا کرتا گیا
پلٹنے پہ تیرے خوشی کا دم بھرتا گیا
تیری رضا سے ہی میں جنت کو پاتا گیا
کر کے دیدار تیرا، اجر اپنا بڑھاتا گیا
درد کو تیرے دعا سے مرہم بناتا گیا
رب ارحمھما کی صدا میں لگاتا گیا
بابا ایاز کیسے سرا ہوں آج اس کو الفاظ سے
پائی جو شفقت میں نے آغوش پدر سے
نہیں اس کا بدل کسی اور در سے

گلدستہ

ترتیب و پیش کش: محمد اطہر فتح پوری، متعلم جامعہ بیت السلام کراچی

حمدِ ربِ ذوالجلال

مظفر وارثی

مولا کریم ربِّ عظیم قادر ہے ذات تیری
یہ اُوج و پست یہ بُود و ہست یہ کائنات تیری
چشم طہور تحت الشعور ہو نور نور تجھ سے
تیرا نصاب حکمت مآب رحمت، صفات تیری
لیل و نہار پت جھڑ بہار سجدہ گزار تیرے
یہ رنگ و روپ یہ تیز دھوپ یہ چاند رات تیری
عزت زوال خوشیاں ملال فردا و حال تجھ سے
دم دم کے ساتھ مرگ و حیات شانِ ثبات تیری

پاکستان کی قدر کریں

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا:
تم ان کے مقابلے کے لئے جتنی کر سکو، قوت تیار کرو۔ (الانفال: 60)
سن لو! قوت "رمی" (دور سے پھینکنا اور تیر اندازی) ہے۔
سن لو! قوت "رمی" (دور سے پھینکنا اور تیر اندازی) ہے۔
سن لو! قوت "رمی" (دور سے پھینکنا اور تیر اندازی) ہے۔ صحیح مسلم

1400 سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے پھینک کر مارنے کو اصلی قوت قرار دیا تھا۔ آج کی دنیا بھی اسے اصل جنگی قوت قرار دے رہی ہے اور دنیا میں اس وقت میزائلوں کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ الحمد للہ! وطن عزیز پاکستان دنیا کا پہلا مسلمان ایٹمی ملک ہے جس کے پاس طویل ترین رینج تک مار کرنے والے مختلف اقسام کے جدید ترین میزائل ہیں۔

نعت

صوفی غلام مصطفی تبسم

فلک پر غوغا ہمارے نبی کا
زمیں پر ہے چرچا ہمارے نبی کا
وہ ہوتے نہ پیدا، تو ہوتی نہ دنیا
یہ دنیا ہے جلوہ ہمارے نبی کا
نہیں کوئی ثانی فلک پر زمیں پر
ہمارے خدا کا، ہمارے نبی کا
ادب سے فرشتوں نے سر کو جھکایا
جہاں نام آیا ہمارے نبی کا
کوئی بے نوا ہو، کوئی بادشاہ ہو
ہے سب کو سہارا ہمارے نبی کا
ہے عرش بریں اُن کے قدموں کے نیچے
وہ رتبہ ہے اونچا ہمارے نبی کا

قربانی ایک نظر میں

حکم: عاقل بالغ، مقیم اور مال دار شخص پر قربانی کرنا واجب ہے۔
فضیلت: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے دن بندوں کے تمام اعمال میں پسندیدہ ترین عمل جانور کا خون بہانا ہے۔
وقت: دسویں ذی الحجہ کے دن نمازِ عید کے بعد سے بارہویں ذی الحجہ سورج غروب ہونے تک۔
شرائط: جانور کی عمر شریعت کی طے شدہ حد کے برابر ہو، وہ جانور عیب دار نہ ہو۔
آداب: جانور کا گوشت خود بھی کھائے، رشتے داروں کو بھی ہدیہ کرے اور غربا میں بھی تقسیم کرے۔
فوائد: اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، مخلوق پر رزق کے دروازے کھلتے ہیں۔

انتخاب: انس یعقوب

حکمتیں

(1) حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کو یاد رکھتے ہوئے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ اپنے جگر گوشوں کو اللہ کے دین کے لیے قربان کردینے کا جذبہ پیدا کرنا۔(الصافات:102)
(2) محض اللہ کے نام پر قربانی کے جانور کو ذبح کرنا۔(الحج:28الانعام:162)
(3) انسان کے لیے جانوروں اور مویشیوں کے تابع اور حلال کیے جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا۔(الحج:361)
(4) فقراء و مساکین کے لیے کھانے اور گوشت کی فراہمی کا سبب۔(الحج:36,28)
(5) ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی عظمت کا اظہار۔(الفجر:23)

(مراسلہ محمد احمد وٹو)

عید الاضحیٰ کے آداب

(1) صبح سویرے اٹھنا
(2) مسواک کرنا
(3) غسل کرنا
(4) شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی آرائش کرنا
(5) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا
(6) خوشبو لگانا
(7) عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا
(8) سرمہ لگانا
(9) جلد از جلد عید گاہ پہنچنا
(01) عید کی نماز عید گاہ میں جا کر پڑھنا
(11) عید گاہ پیدل جانا
(21) عید گاہ سے واپسی پر دوسرا راستہ اختیار کرنا
(31) عید گاہ جاتے وقت اور وہاں سے واپسی پر راستے میں
اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد
باآواز بلند پڑھنا
(41) قربانی کے مبارک گوشت سے کھانے کی ابتدائی کرنا۔

ایک نظر ادھر بھی

- راستہ اور راستہ دکھانے والا دونوں اپنی جگہ پر ہی رہ جاتے ہیں مگر دوسروں کو ان کی منزل تک پہنچادیتے ہیں
- خودکشی اور اقتدار پر قبضہ دنیا کے وہ جرائم ہیں جو اگر پایہ تکمیل تک پہنچ جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت سزا نہیں دے سکتی لیکن اگر نامکمل رہیں تو سزا دی جاسکتی ہے۔
- چلنے اور دوڑنے میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی چلنے لگے تو پہلے ایڑی اٹھاتا ہے لیکن جب دوڑتا ہے تو پہلے پنجہ استعمال کرتا ہے۔

آپ کے اشعار

سب کا تو مداوا کر ڈالا اپنا ہی مداوا کر نہ سکے
سب کے تو گریباں سی ڈالے اپنا ہی گریباں بھول گئے

انتخاب: محمد عزیز — شاعر: اسرار الحق اعجاز

آئینہ دیکھ ذرا کیا میں غلط کہتا ہوں
تو نے خود سے بھی کوئی بات چھپا رکھی ہے

انتخاب: شازیہ پروین — شاعر: انور مسعود

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

انتخاب: جویریہ افضال — شاعر علامہ اقبال

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مرچلے

انتخاب: سمیع اللہ — شاعر: درد

چلنے لگا تو ایک زمانہ تھا ہم رکاب
ٹھوکر لگی تو تو اپنے کو خود تھامنا پڑا

انتخاب: ساجد رئیسانی — شاعر: اختر ہوشیار پوری

یہ اک اشارہ ہے آفاتِ ناگہانی کا
کسی جگہ سے پرندوں کا کوچ کرجانا

انتخاب: فرید مسعود — شاعر: عالم تاب تشنہ

حضورِ یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں
کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں

انتخاب: لبابہ مسعود — شاعر: تاثیر

ہزار برق گرے لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

انتخاب: نوید ظفر — شاعر ساحر لدھیانوی

فراہمی آب

اندرون سندھ کے 5 علاقوں کے 27 مقامات پر ہزاروں افراد کے لیے

پانی فراہمی کے منصوبوں پر کام جاری ہے

رپورٹ: خالد معین

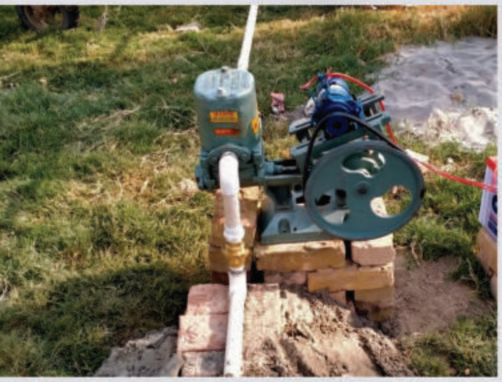

بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کی سینکڑوں رفاہی خدمات میں سے ایک فراہمی آب بھی ہے۔ بیت السلام کے زیر اہتمام اندرون و بیرون ملک درجنوں مقامات پر میٹھے پانی کی فراہمی پورے اہتمام کے ساتھ سال بھر جاری رہتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر دیرپا منصوبہ جات کے ذریعے دور دراز اور پس ماندہ بستیوں میں پانی پہنچانے کا عمل بھی جاری رہتا ہے۔

اس وقت بھی اندرون سندھ کے پانچ علاقوں میں 27 مقامات پر ہزاروں افراد کے لیے پانی فراہمی کے منصوبوں پر کام ہو رہا ہے۔ ان پانچ مقامات میں خیر پور کا علاقہ فیض گنج ہے، جس کے 14 مقامات پر پانی فراہمی کے لیے کام ہو رہا ہے۔ یہاں پانی کھینچنے والی مشین کے لیے سولر سسٹم نصب کیا جارہا ہے۔ دوسری جگہ تھری میرواہ ہے۔ یہاں بھی سولر سسٹم کے ذریعے چلنے والی مشین سے 6 مقامات تک پانی پہنچایا جائے گا، قنبر شہزاد میں 5 جگہوں پر ہنڈ پمپ نصب کیے جا رہے ہیں، شکارپور میں ایک جگہ اور یہاں بھی سولر سسٹم کے ذریعے موٹر چلے گی جب کہ ٹھل (جیکب آباد) میں بھی ایک جگہ کام جاری ہے۔ یہاں بھی سولر سسٹم کام کرے گا۔ ان منصوبہ جات پر تقریباً دس لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔

اس سے پہلے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ نے تھر کے علاقے عمر کوٹ میں دو الگ الگ منصوبے مکمل کیے۔ پہلا منصوبہ کنویں نما ٹینک کا تھا، اس ٹینک کی گہرائی 8 فٹ تھی۔ 4 فٹ زمین کے اندر اور 4 فٹ زمین کے باہر۔ جس پر 5 لاکھ روپے خرچ ہوئے 100 سے زادہ گھرانوں کے لیے سرحدی علاقے میں واقع چھاؤنی سے یہاں تک پانی کا ایک پائپ بچھایا گیا تھا۔ جب کہ تھر کے اسی علاقے عمر کوٹ کے 20 دیہاتوں کے ہزاروں گھروں کے لیے ایک اور منصوبے پر 50 لاکھ روپے سے زیادہ رقم خرچ آئی۔ اس منصوبے کی تکمیل کے بعد وہاں کے لوگوں نے کہا تھا، آج ہمارے لیے عید کا دن ہے۔ ان کا کہنا تھا ہم لوگ 15،15 میل دور سے پانی بھر کے لاتے رہے ہیں۔ وہ بیت السلام کے شکر گزار تھے۔

AQUA COCO

100% NATURAL COCONUT WATER

100% قدرتی
ناریل پانی

- Fat-free
- Low-calorie
- Healthy hydration
- Rich in Potassium
- No Additives
- No Added Sugar

Produced and Packed in Philippines

/ aquacocopakistan

/ aquacocopk

ilmofy
PAKISTAN

کاش! اللہ تعالیٰ ہم سے امتِ مسلمہ کے لیے کوئی عالمی کام لے لے۔ کاش!

آئیے! بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کا ممبر بنیے اور ممبر تیار کیجیے اور قوموں کی تقدیر بدلنے والی تعلیمی قومی اور عالمی خدمت میں اپنا حصہ ڈال کر دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہو جائیے۔

تفصیلات کے لیے وزٹ کیجیے

http://ilmofy.baitussalam.org

UAN No. 111-298-111 | Email: ilmofy@baitussalam.org | Mob: +92-332-3332401